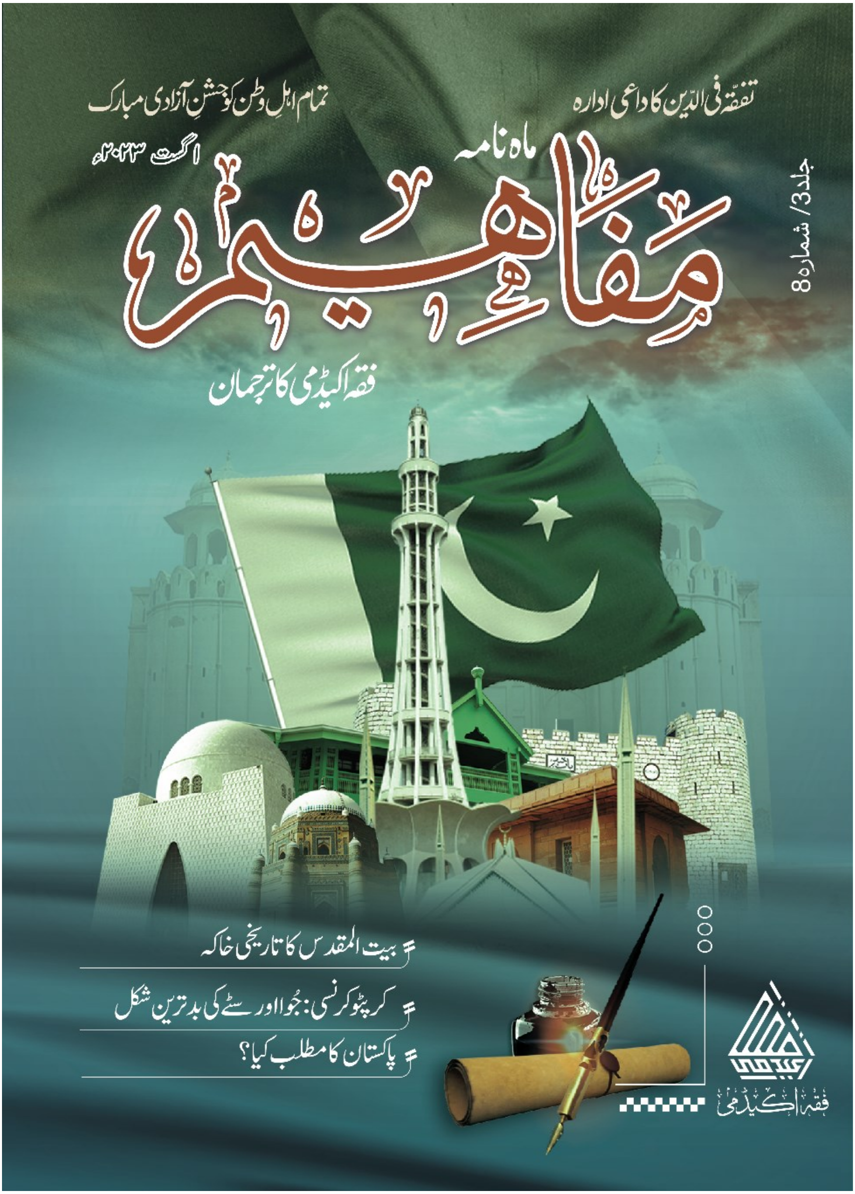
تفقہ فی الدین کا داعی ادارہ
تمام اہلِ وطن کو جشنِ آزادی مبارک
ماہ نامہ
اگست ۲۰۲۳ء
مفاہیم
جلد3/ شمارہ8
فقہ اکیڈمی کا ترجمان
بیت المقدس کا تاریخی خاکہ
کرپٹو کرنسی: جوا اور سٹے کی بدترین شکل
پاکستان کا مطلب کیا؟
فقہ اکیڈمی

لیتفقھوا فی الدین

زاجتہادِ عالمانِ کم نظر
اقتدا بر رفتگان محفوظ تر

اقبال

من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین

ماہ نامہ **مفاہیم** کراچی

فقہ اکیڈمی کا ترجمان | تفقہ فی الدین کا داعی ادارہ

سرپرستِ اعلیٰ

حضرت مولانا مفتی نذیر احمد ہاشمی صاحب مدظلہ

مدیر

صوفی جمیل الرحمٰن عباسی

نائب مدیر

مولانا حماد احمد ترک

مجلسِ مشاورت

- ڈاکٹر محمد رشید ارشد
- مفتی اویس پاشا قرنی
- مولانا معراج محمد
- مولانا سید اسامہ علی
- مولانا ابرار حسین
- مولانا عابد علی بھٹی

فقہ اکیڈمی

C-335، بلاک -1، گلستان جوہر، بالمقابل جامعہ کراچی، یونیورسٹی روڈ، کراچی، پاکستان۔ 3474 3662 21 92 + | 3474 3661 21 92 +

FIQHACADEMY.COM.PK | FIQHACADEMY | FIQHACADEMYPK | +92 330 3474223

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مضامین

نعت	شہرِ شہِ اُمم کے پہاڑ	فضل اللہ فانی	۴
اداریہ	نصفِ معیشت	مدیر	۶
درسِ قرآن	قرآنی تعلیمات میں شرک کی شناعت	مولانا محمد اقبال	۱۲
درسِ حدیث	دِلوں کا زنگ	ابنِ عباس	۱۸
مقالات	اصلاحی مجلس	مولانا مجد القدوس خبیب رومی	۲۳
مقالات	شوکتِ سنجر و سلیم	مولانا حماد احمد ترک	۳۱
مقالات	بیت المقدس کا تاریخی خاکہ	صوفی جمیل الرحمٰن عباسی	۳۹
مقالات	کرپٹو کرنسی: جُوا اور سٹے کی بدترین شکل	ڈاکٹر مبشر حسین رحمانی	۴۸
یسئلونک	روایت حبُ الوطن من الایمان کی تحقیق	دارالافتاء، فقہ اکیڈمی	۵۳
ادبیات	خدا کرے کہ میری ارضِ پاک پر اترے	احمد ندیمؔ قاسمی	۵۵
ادبیات	پاکستان کا مطلب کیا؟	اصغرؔ سودائی	۵۶

نعت

فضل اللہ فانی

شہرِ شہِ اُمم کے پہاڑ

کبھی تو دیکھیں گے شہرِ شہِ اُمم کے پہاڑ
بنیں گے رائی جنھیں دیکھتے ہی غم کے پہاڑ

وہ جس نے دیکھے ہوں اک مرتبہ حرم کے پہاڑ
نظر میں اُس کی سمائیں گے کیا عجم کے پہاڑ

رہے پہاڑ کے مانند آپ اپنی جگہ
اگرچہ توڑے گئے آپ پر ستم کے پہاڑ

حصارِ جسم سے نکلوں تو طیبہ آ جاؤں
ہیں میری راہ میں سانسوں کے زیر و بم کے پہاڑ

زبانِ حال سے کہتا تھا اُن کا رُخ ہر دم
دکھائے تو مِرے جلوے کے آگے جم کے پہاڑ

بنیں گے ڈھال خدا کے غضب کے آگے ہمیں
وہ لطف و رحم کے، وہ جود کے، کرم کے پہاڑ

یہ اُن کی نعت ہے فانی کوئی غزل تو نہیں
ردیف و قافیہ کیوں ہوں رہِ قلم کے پہاڑ

*****

اداریہ

مدیر، ماہنامہ مفاہیم، کراچی

نصفِ معیشت

خواجہ الطاف حسین حالی نے اپنی مشہور مُسَدّس ''مد و جزرِ اسلام'' قیامِ پاکستان سے نصف صدی قبل لکھی تھی لیکن پاکستانیوں کی ہمت دیکھیں کہ کس طرح ''محنت'' کر کے کئی ایک شعروں کا مصداقِ صادق خود کو ثابت کیا۔ ذرا پڑھیے شعر اور بتلائیے کہ یہ ہمارا نہیں تو کس کا حال بیان ہوا ہے:

یہی حال دنیا میں اس قوم کا ہے
بھنور میں جہاز آ کے جس کا گھرا ہے
کنارہ ہے دور اور طوفاں بپا ہے
گماں ہے یہ ہر دم کہ اب ڈوبتا ہے

واقعہ یہ ہے کہ مختلف قسم کے طوفانوں میں گھری پاکستان کی کشتی بری طرح ڈول رہی ہے اور ان میں سب سے بڑا معاشی طوفان ہے۔ پچھلے دنوں ہمارا ملک ڈیفالٹ ہوتے ہوتے بچ تو گیا۔ لیکن نئے سودی قرضوں، ظالمانہ ٹیکسوں اور مہنگائی کے ساتھ۔ لیکن حالات ہیں کہ سدھر کر نہیں دے رہے۔ اصل میں ہماری اقتصادیات چاہے سرکاری و اجتماعی ہو چاہے نجی و انفرادی دونوں ''بِلا اقتصاد'' ہیں۔ حالانکہ معیشت کا اصل اسلامی اصول ہے ہی اقتصاد یعنی میانہ روی: فرمانِ نبوی ہے: «اَلِاقْتِصَادُ فِي النَّفَقَةِ نِصْفُ الْمَعِيشَةِ».

(شعب الایمان) ''خرچ کرنے میں میانہ روی سے کام لینا، معیشت کا نصف ہے''۔ یعنی ذرائع آمدن، محنت و مشقت اور دیگر تمام وسائل وغیرہ سب کچھ مل کر معیشت کا نصف حصہ بنے اور دوسری طرف اکیلا اقتصاد (میانہ روی سے خرچ کرنا) معیشت کا نصف کہلایا تو کہا جاسکتا ہے کہ معیشت کا بہت زیادہ یعنی پچاس فیصد انحصار اندازِ خرچ پر ہے نہ کہ کمائی پر۔

نصفِ معیشت کی ایک دوسری توجیہ کی طرف ایک لطیف و عمیق اشارہ علامہ طیبی نے ''الکاشف عن حقائق السنن'' میں کیا ہے۔ اس کی توجیہ میں جائیں تو 'اقتصاد' نصف نہیں بلکہ ''پوری اور مکمل'' معیشت کہلانے کا حقدار ہے۔ علامہ فرماتے ہیں: والعیش نوعان: عیش الدنیا وعیش الآخرۃ ''زندگی کی دو قسمیں ہیں دنیا کی زندگی اور آخرت کی زندگی'' اصل میں تو زندگی ایک ہی ہے جو عالمِ ارواح سے شروع ہوئی، کچھ عرصہ یہ عالمِ دنیا میں کاٹے گی اور پھر عالمِ برزخ سے ہوتے ہوئے عالمِ آخرت میں ظہور پذیر ہو کر امر ہو جائے گی:

مرگ اک ماندگی کا وقفہ ہے
یعنی آگے چلیں گے دم لے کر

تو اس جاوداں اور پیہم دواں زندگی کا نصف حیاتِ دنیوی ہے۔ پس جب اقتصاد کو نصفِ حیات قرار دیا گیا تو اس میں دنیا کی پوری زندگی شامل ہے گویا خرچ میں میانہ روی اختیار کرنا ہی کل معیشت ہے۔ اقتصاد یعنی سرمایے کو احتیاط سے خرچ کرنا ہمارے ہاں تو کچھ اہمیت نہیں رکھتا، ہمارا پانی کا نلکا اور بجلی کا پنکھا، جب تک پانی اور بجلی ساتھ دے چلتا ہی رہتا ہے۔ بھلے وقتوں میں ہم نے وہ ہوٹل اور گھر بھی دیکھے ہیں جو سوئی گیس استعمال کرتے ہوئے، چولہا بجھاتے نہیں بلکہ آہستہ کر دیا کرتے تھے تاکہ ''دیا سلائی کی بچت'' ہو سکے۔ خالی کمروں میں بجلی کے قمقمے، پنکھے بلکہ ایئر کنڈیشنر تک چلتے عام دکھائی دیتے ہیں۔ شادیوں پر آتش بازی اور روشنائیوں کا اہتمام، کئی کئی اقسام کے کھانے، استعمال کی چیزوں میں ''برینڈز'' کی شریعت کے جیسی پابندی، خیر یہ تو عوامی باتیں ہیں، سرکار کا حال کیا ہے کہ نمائندے لاکھوں کی تنخواہوں کے بعد لاکھوں کی مراعات بھی یوں سمیٹ رہے ہیں جیسے حلوائی کی دکان پر 'نانا جی' کی فاتحہ کھلا رہے ہوں (بعض کے ہاں فاتحہ دادا جان، ابا

جان بلکہ بیوی جان کی بھی ہو سکتی ہے)۔ ٹینکوں کی مانند بڑی بڑی گاڑیاں اور درجنوں گارڈز جیسے کسی ملک کے بادشاہ سلامت تشریف لا رہے ہوں۔ اندرونی و بیرونی دوروں پر وہ شاہ خرچیاں کہ اللہ کی پناہ۔ تو اس معیشتِ بلا اقتصاد کی بہتری ہو تو کیوں کر۔ ماہرینِ معیشت تو آپ نے اِدھر اُدھر سے بہت جمع کیے لیکن ان کھوٹے سکوں نے کوئی فائدہ نہ دیا تو ہم فقیروں کی صدا پر بھی کان دھر کر کچھ دعائیں لیتے جائیں:

فقیرانہ آئے صدا کر چلے
"میاں" خوش رہو ہم دعا کر چلے

امام مالک رحمہ اللہ نے جو فرمایا کہ سنت کی مثال سفینۂ نوح کی طرح ہے تو مہنگائی اور افراطِ زر کے سیلاب و طوفان سے ہمیں اگر کوئی بچا سکتا ہے تو نبی کریم ﷺ کا طرزِ زندگی ہے۔ آئیے! ذرا اس کی ایک جھلک دیکھ لیتے ہیں: "رسولِ خدا ﷺ روزے سے ہیں اور اس دن کا روزہ بھی کچھ سخت ہی تھا۔ سیدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے ایک اونٹنی کا دودھ نکالا اور جب افطار کا وقت نزدیک آیا تو ہم نے ایک پیالے میں دودھ ڈالا اور اس میں شہد شامل کر کے آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ جب آپ نے دودھ چکھ لیا تو ہاتھ کے اشارے سے پوچھا: یہ کیا ہے؟ ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم نے آپ کا اکرام کرتے ہوئے دودھ میں شہد شامل کیا ہے۔ آپ ﷺ نے ہمیں دعا دی اور فرمایا: «أَكْرَمَكَ اللهُ بِمَا أَكْرَمْتَنِي» "اللہ تعالیٰ تمھارا بھی اکرام کرے جیسا تم نے میرا اکرام کیا"۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: «مَنِ اقْتَصَدَ أَغْنَاهُ اللهُ وَمَنْ بَذَّرَ أَفْقَرَهُ اللهُ وَمَنْ تَوَاضَعَ رَفَعَهُ اللهُ وَمَنْ تَجَبَّرَ قَصَمَهُ اللهُ». (مجمع الزوائد) "جو میانہ روی سے خرچ کرے گا اللہ اسے غنی کرے گا اور جو بے جا اڑائے گا اللہ اسے فقیر کرے گا اور جو تواضع کرے گا اللہ اسے بلندی دے گا اور جو تکبر کرے گا اللہ اسے ذلیل و خوار کرے گا"۔ اس فرمانِ رسول میں متضادات پر مبنی دو جوڑے ہیں اور ایک جوڑے کا تعلق دوسرے جوڑے کے ساتھ بھی ہے۔ پہلے جوڑے یعنی اقتصاد و تبذیر میں سے پہلا امر مطلوب ہے اور دوسرا قابلِ ترک ہے۔

اقتصاد، قصد سے ہے جس کا معنی وسط ہے اور اصطلاح میں اس سے مراد ہے خرچ کرنے میں بچت کا خیال کرتے ہوئے اعتدال اور میانہ روی سے کام لینا۔ جب کہ بذر، زمین میں بیج بکھیرنے کو کہتے ہیں اسی سے تبذیر بنتا ہے۔ اصطلاح میں اس سے مراد ہے مال کو بے تحاشا لٹانا، فضول خرچی کرنا۔ سورۂ بنی اسرائیل میں اس امر سے روکتے ہوئے فرمایا: ﴿وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا ﴿إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا﴾ "مال بے جانہ اڑاؤ، بے شک بے جا خرچ کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا بڑا ہی ناشکرا ہے"۔ فضول خرچی کرنے والوں کو شیطان کا بھائی اس لیے قرار دیا گیا کہ ان کے طرزِ عمل سے لوگوں میں احساسِ محرومی اور طبقاتی نفرت وعداوت پیدا ہو جاتی ہے۔ آگے چل کر فرمایا: ﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَحْسُورًا﴾ "اور اپنے ہاتھ (کنجوسی کے مارے) بالکل گردن سے نہ لگائے رکھو اور نہ ہاتھ بالکل کھول ہی دو (اور فضول خرچی کرنے لگو) تب تم بیٹھ رہو گے ملامت زدہ ہو کر اور شکست خوردہ ہو کر"۔ یعنی جب مال فضول میں اڑا دیا تو اب ضرورت کے وقت خرچ کرنے کے لیے رقم نہ بچے گی۔ ہو سکتا ہے کہ مجبور ہو کر لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانا پڑے تو یہ باعثِ ملامت ہے اس میں لوگوں کی ملامت، اپنے ضمیر کی ملامت بلکہ بیوی بچوں کی ملامت بھی شامل ہو سکتی ہے۔ یہی شکست خوردگی ہے جس کا مندرجہ بالا فرمانِ رسول میں ذکر ہوا ہے: «وَمَنْ بَذَّرَ أَفْقَرَهُ اللهُ» "جو تبذیر کرے گا اللہ اسے فقیر بنا دے گا"۔ اسی لیے حدیث پاک میں آتا ہے: «مَا عَالَ مَنِ اقْتَصَدَ». (مسند أحمد) "وہ غریب نہ ہو گا جو میانہ روی اختیار کرے گا"۔

خرچ میں اعتدال اہلِ ایمان کی لازمی صفت ہے: ﴿وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا﴾ (الفرقان: ٦٧) "وہ جب خرچ کریں تو نہ ہی اسراف کریں اور نہ ہی کنجوسی کریں بلکہ ان کا خرچ ان دونوں کے درمیان ہوتا ہے"۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو جن نو چیزوں کا حکم دیا

ان میں یہ بھی ہے کہ:«وَالْقَصْدِ فِي الْفَقْرِ وَالْغِنَى». (مشكاة المصابيح) ’’تنگ دستی اور خوش حالی دونوں میں میانہ روی سے خرچ کرنا‘‘۔ نبی کریم ﷺ اس حکم کو پورا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کیا کرتے:«وَأَسْأَلُكَ الْقَصْدَ فِي الْفَقْرِ وَالْغِنَى وَأَسْأَلُكَ نَعِيمًا لَا يَنْفَدُ». (سنن النسائي) ’’اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں، میانہ روی سے خرچ کرنے کا، چاہے محتاجی ہو چاہے امیری اور میں سوال کرتا ہوں اس نعمت کا جو کبھی فنا نہ ہو‘‘ اور نوٹ کریں کہ اقتصاد کے ساتھ نعمتوں کی بقا کا ذکر کیا گیا یعنی نعمتوں کی بقا بچت میں ہے اور ان کا فنا فضول خرچی میں ہے۔

اوپر ہم نے سیرت کے جس واقعے پر بات شروع کی تھی اس میں مذکور فرمانِ رسول کا دوسرا حصہ یوں ہے:«وَمَنْ تَوَاضَعَ رَفَعَهُ اللهُ وَمَنْ تَجَبَّرَ قَصَمَهُ اللهُ». (مجمع الزوائد) ’’جو تواضع کرے گا اللہ اسے بلندی دے گا اور جو تکبر کرے گا اللہ اسے ذلیل و خوار کرے گا‘‘۔ اصل میں تواضع اور تکبر کا تعلق پہلی دو چیزوں یعنی اقتصاد اور فضول خرچی سے ہے کہ جس میں عاجزی ہوگی وہی باوجود وسائل کے سادگی اختیار کرے گا اور جس میں تکبر ہو گا وہ اپنے وسائل سے بڑھ کر خرچ کرے گا۔ مندرجہ بالا واقعے سے مشابہ ایک اور واقعے میں بھی یہی پہلو بیان ہوا ہے: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک پیالہ دودھ لایا گیا جس میں شہد شامل کیا گیا تھا، اسے دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا:«شَرْبَتَيْنِ فِي شَرْبَةٍ؟ وَأُدُمَيْنِ فِي قَدَحٍ؟ لَا حَاجَةَ لِي بِهِ، أَمَا إِنِّي لَا أَزْعُمُ أَنَّهُ حَرَامٌ، أَكْرَهُ أَنْ يَسْأَلَنِي اللهُ عَنْ فُضُولِ الدُّنْيَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ، أَتَوَاضَعُ لِلَّهِ، فَمَنْ تَوَاضَعَ لِلَّهِ رَفَعَهُ اللهُ، وَمَنْ تَكَبَّرَ وَضَعَهُ اللهُ، وَمَنِ اقْتَصَدَ أَغْنَاهُ اللهُ، وَمَنْ أَكْثَرَ ذِكْرَ الْمَوْتِ أَحَبَّهُ اللهُ». (مجمع الزوائد) ’’ایک مشروب میں دو شربت اور ایک پیالے میں کھانے کی دو چیزیں؟ مجھے اس کی حاجت نہیں ہے۔ البتہ میں اسے حرام بھی نہیں کہتا لیکن اسے ناپسند کرتا ہوں کہ مبادا کل آخرت میں اللہ مجھ سے دنیا کے ’فضول استعمال‘ کے بارے باز پرس کرلے، میں اللہ کے لیے عاجزی کرتا ہوں (اور اسی سبب سادگی اختیار کرتا ہوں) اور جو اللہ کے لیے تواضع کرے گا اللہ

اسے بلندی دے گا اور جو تکبر کرے گا اللہ اسے ذلیل کرے گا اور جو خرچ میں میانہ روی کرے گا اللہ اسے غنی کرے گا اور جو موت کا زیادہ ذکر کرے گا اللہ اس سے محبت کرے گا"۔ تو ہماری معاشی بقا اسی میں ہے کہ اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرتے ہوئے حلال کو حرام کہے بغیر سادگی اختیار کریں اور انفرادی و اجتماعی ہر دو سطح پر خرچ میں میانہ روی کو فروغ دیں اور اسراف و تبذیر سے مکمل پرہیز کریں۔

*****

درسِ قرآن

مولانا محمد اقبال

قرآنی تعلیمات میں شرک کی شناعت کا بیان

سورۃ الکہف: ۴ تا ۸

﴿وَيُنْذِرَ الَّذِينَ قَالُوا اتَّخَذَ اللهُ وَلَدًا* مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ وَلَا لِآبَائِهِمْ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِنْ يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا* فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفسَكَ عَلَى آثَارِهِم إِن لَّم يُؤمِنُوا بِهٰذَا الحَدِيثِ أَسَفًا* إِنَّا جَعَلنَا مَا عَلَى الأَرضِ زِينَةً لَّهَا لِنَبلُوَهُم أَيُّهُم أَحسَنُ عَمَلًا* وَإِنَّا لَجٰعِلُونَ مَا عَلَيهَا صَعِيدًا جُرُزًا﴾

”اور تاکہ ان لوگوں کو متنبہ کرے جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ نے کوئی بیٹا بنا رکھا ہے۔ اس بات کا کوئی علمی ثبوت نہ خود ان کے پاس ہے، نہ ان کے باپ دادوں کے پاس تھا۔ بڑی سنگین بات ہے جو ان کے منھ سے نکل رہی ہے۔ جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں، وہ جھوٹ کے سوا کچھ نہیں۔ اب (اے پیغمبر) اگر لوگ (قرآن کی) اس بات پر ایمان نہ لائیں تو ایسا لگتا ہے جیسے تم افسوس کر کر کے ان کے پیچھے اپنی جان کو گھلا بیٹھو گے۔ یقین جانو کہ روے زمین پر جتنی چیزیں ہیں ہم نے انھیں زمین کی سجاوٹ کا ذریعہ اس لیے بنایا ہے تاکہ لوگوں کو آزمائیں کہ ان میں کون زیادہ اچھا عمل کرتا ہے۔ اور یہ بھی یقین رکھو کہ روے زمین پر جو کچھ ہے ایک دن ہم اسے ایک سپاٹ میدان بنا دیں گے“۔

تفسیر و توضیح

سورۃ الکہف در حقیقت مشرکینِ مکہ کے ان سوالوں کے جواب میں نازل ہوئی ہے جو انھوں نے اصحابِ

کہف اور ذو القرنین کے متعلق علمائے یہود کے مشورے پر رسول اللہ ﷺ سے پوچھے تھے۔ البتہ اس سورت کے آغاز میں قرآنِ کریم کے نزول کے اصل مقصد کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ قرآنِ کریم جو کتابِ قیم اور ہر قسم کی خامیوں اور افراط و تفریط سے پاک ہے، اس کا مقصدِ نزول یہ ہے کہ اس کی پیروی کی جائے اور اس کے ذریعے لوگوں کے اندر فکرِ آخرت پیدا کی جائے۔ اسی طرح اس کتاب کی تعلیمات کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کے بندوں کو شرک جیسے مرض سے سے بچنے کی تلقین کی جائے۔ گزشتہ درس میں شروع کی تین آیات کے مطالعے کے ضمن میں فکرِ آخرت اور اچھے اور برے اعمال کے انجام کے متعلق گفتگو ہوئی ہے، جبکہ آنے والی آیات کے مطالعے میں شرک کی شناعت کا بیان ہو گا۔

قرآنی تعلیمات اور توحیدِ باری تعالیٰ

اللہ تبارک و تعالیٰ نے شرک کو سنگین بہتان قرار دیا ہے اور ایسے لوگ جو شرک میں مبتلا ہیں ان کے لیے قرآن کی تعلیمات کو راہِ نجات قرار دیتے ہوئے فرمایا: ﴿وَيُنْذِرَ الَّذِينَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا﴾ ”اور تاکہ ان لوگوں کو متنبہ کرے جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ نے کوئی بیٹا بنا رکھا ہے“۔ یہاں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے عمومی انذار کے بعد خصوصی طور پر شرک میں مبتلا افراد جو اللہ تعالیٰ کے لیے نعوذ باللہ اولاد ثابت کرتے ہیں، ان کے متعلق فرمایا کہ یہ قرآن ایسے لوگوں کو توحید کی طرف دعوت دے رہا ہے اور شرک کی شناعت سے خبردار کر رہا ہے۔ یہ تین قسم کے گروہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کرتے ہیں، ان میں سے ایک گروہ تو مشرکینِ عرب کا ہے جو کہتے ہیں کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ جبکہ ایک گروہ نصاریٰ کا ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام کو ابن اللہ کہتے ہیں۔ اور ایک گروہ ان یہود کا ہے جن کا عقیدہ ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں۔ تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ عمومی انذار کے بعد شرک میں مبتلا ان گروہوں کو خصوصی طور پر متنبہ کر رہے ہیں کہ توحید کے عقیدے کے بجائے شرک کا عقیدہ اختیار کرنے والے اس عظیم جسارت پر اللہ تعالیٰ کے عذاب کے خصوصی طور پر مستحق ہیں۔ کیونکہ شرک کوئی معمولی گناہ نہیں ہے بلکہ ظلمِ عظیم ہے، ظاہر ہے

اس کی سزا بھی دیگر معاصی کے مقابلے میں سخت ہوگی۔

مشرکین سے دلیل کا مطالبہ

چونکہ شرک میں مبتلا ان گروہوں کے پاس اپنے عقیدے پر کوئی دلیل نہیں ہے تو ان کے متعلق فرمایا: ﴿مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ﴾ ”اس بات کا کوئی علمی ثبوت نہ خود ان کے پاس ہے، نہ ان کے باپ دادوں کے پاس تھا“۔ یعنی ایسے مشرکین جو اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد کا عقیدہ رکھتے ہیں، اس عقیدے پر ان کے پاس کوئی دلیل ہے اور نہ ہی ان کے ان باپ دادوں کے پاس کوئی دلیل ہے جن کی یہ لوگ اس گھناؤنی اور سنگین بات میں تقلید کرتے ہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے کا علم نہ براہِ راست انھیں خود ہے اور نہ ہی ان کے باپ دادوں سے انھیں بالواسطہ حاصل ہے۔ تو بغیر کسی دلیل کے انتہائی بے ہودہ عقیدے پر کاربند رہنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ یعنی ایک عاقل بالغ آدمی جس کے حواس بھی ٹھیک ٹھیک کام کر رہے ہوں اسے ایسی بے بنیاد بات نہیں کرنی چاہیے۔ یہاں مشرک سے دلیل کا مطالبہ اس لیے کیا جاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے کا دعویٰ کر رہا ہے اور ظاہر بات ہے بارِ ثبوت مدعی پر ہوتا ہے۔ جب ان کے پاس اس پر کوئی دلیل بھی نہیں ہے اور پھر بھی وہ اس کے قائل ہیں، تو اس کے بارے میں فرمایا: ﴿كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ﴾ ”بڑی سنگین بات ہے جو ان کے منہ سے نکل رہی ہے“۔ یعنی ان لوگوں کا یہ قول اللہ تعالیٰ کی ذات پر جس کی عظمت و کبریائی کی کوئی انتہا نہیں ہے، بہت بڑا بہتان اور افترا ہے۔ اور یہ بڑی قبیح اور بے ہودہ بات ہے، جس کی سنگینی کا انھیں اندازہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات جو ہر قسم کی کمزوریوں اور حاجات سے منزہ ہے، اس کے لیے اولاد ثابت کرنا اور پھر اسے اس کے ساتھ شریک قرار دینا بہت بڑا جرم اور بہت بڑی جرات و جسارت ہے۔ شرک بہت بڑا جرم ہے، اس کی شناعت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہر قسم کے گناہ کی معافی ممکن ہے مگر شرک کو کسی صورت معاف نہیں کیا جا سکتا۔ قرآنِ کریم کے دیگر مقامات میں بھی اس جرم پر بڑی وعید آئی

ہے اور اس کی سنگینی کا احساس دلایا گیا ہے: ﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا۞ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا۞ تَكَادُ السَّمَاوَاتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا۞ أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمَنِ وَلَدًا۞ وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمَنِ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا﴾ (سورۂ مریم: ۸۸ تا ۹۲) ”اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ خدائے رحمٰن کی کوئی اولاد ہے۔ (ایسی بات کہنے والو!) حقیقت یہ ہے کہ تم نے بڑی سنگین حرکت کی ہے۔ کچھ بعید نہیں کہ اس کی وجہ سے آسمان پھٹ پڑیں، زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ٹوٹ کر گر پڑیں۔ کہ ان لوگوں نے خدائے رحمٰن کے لیے اولاد ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ حالانکہ خدائے رحمٰن کی یہ شان نہیں ہے کہ اس کی کوئی اولاد ہو“۔ یہاں اس عقیدے کی شناعت کے لیے انتہائی زوردار تعبیر اختیار کی گئی ہے کہ حقیقت میں یہ خالق کے حق میں ایسا سنگین جرم اور گستاخی ہے جو اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے فطری نظام کو درہم برہم کرنے کے لیے کافی ہے۔ لہٰذا ایسا عقیدہ رکھنا جو ہر اعتبار سے موجبِ فساد ہو، عقل و نقل کے لحاظ سے اس کا بطلان ظاہر ہے۔ چنانچہ ایسے جھوٹے عقیدے کے متعلق جس میں ذرہ برابر سچائی نہیں ہے، فرمایا گیا کہ: ﴿إِنْ يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا﴾ ”جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں، وہ جھوٹ کے سوا کچھ نہیں“۔

اس سورت کے اوّلین مخاطبین کے لیے دعوتِ فکر

یہاں شرک کی مذمت بیان کرنے میں ایک لطیف نکتے کی طرف بھی اشارہ موجود ہے کہ سورۃ الکہف میں ان نوجوانوں کا واقعہ ہے جو شرک سے بچنے کی خاطر اپنے شہر سے نکل گئے تھے اور اس عظیم مقصد کے لیے ہر قسم کے تعلقات اور دنیوی فوائد سے کنارہ کش ہوئے تھے۔ لہٰذا اس واقعے میں اس سورت کے اوّلین مخاطبین کے لیے بڑا سبق موجود ہے کہ ایک طرف اصحابِ کہف کی یہ عظیم قربانی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اس عمل کی بدولت انھیں معجزاتی طور پر تین سو سال تک ایک غار میں زندہ رکھ کر ان کو شرف بخشا ہے، جبکہ دوسری طرف یہود اور مشرکینِ مکہ کا طرزِ عمل ہے۔ چنانچہ اس واقعے میں ایک طرف یہود کو یہ بتایا جا رہا ہے کہ جب تمھیں یہ واقعہ معلوم بھی ہے کہ اصحابِ کہف کی یہ قربانی صرف شرک سے اجتناب کے لیے تھی، پھر بھی تم حضرت عزیر علیہ السلام کو

ابن اللہ کہتے ہو؟ یعنی واقعے کے علم نے تمھیں کوئی فائدہ نہیں دیا کیونکہ تم نے اس کی اصل حقیقت کو نظر انداز کر دیا اور خود شرک میں مبتلا ہوئے۔ اسی طرح اس واقعے میں قریشِ مکہ کو بھی تنبیہ ہے کہ اصحابِ کہف کی یہ فضیلت اس بنا پر ہی تو تھی کہ وہ شرک سے بچنے کے لیے اپنے شہر اور عزیز و اقارب سے بے زار ہوئے، جبکہ ایک تم لوگ ہو کہ نبی اکرم ﷺ اور ان کے متبعین تمھیں اسی فضیلت کے لیے بلا رہے ہیں اور تم بھاگے جا رہے ہو۔ بجائے اس کے کہ تم اصحابِ کہف کی پیروی کرو تم اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیاں ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہو۔ اور اس انکار کے ساتھ تمھارا حضورِ اکرم ﷺ اور ان کے متبعین کے ساتھ معاملہ بھی ایسا ہے کہ تم انھیں اپنے شہر سے ہجرت کرنے پر مجبور کر رہے ہو، حالانکہ تمھیں اس واقعے سے سبق لینا چاہیے تھا۔

حضورِ اکرم ﷺ کو تسلی

مسلسل دعوت کے باوجود مشرکین کے حق کی قبولیت سے انکار اور معاندانہ طرزِ عمل نے حضورِ اکرم ﷺ کو حد درجہ پریشان کیے رکھا تھا، اس وجہ سے آپ ﷺ ہر وقت غم کی کیفیت میں ہوتے تھے۔ چنانچہ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰى اٰثَارِهِم إِن لَّم يُؤمِنُوا بِهٰذَا الحَدِيثِ أَسَفًا﴾ ”اب (اے پیغمبر) اگر لوگ (قرآن کی) اس بات پر ایمان نہ لائیں تو ایسا لگتا ہے جیسے تم افسوس کر کر کے ان کے پیچھے اپنی جان کو گھلا بیٹھو گے“۔ اس آیت کے شانِ نزول میں صاحبِ روح المعانی نے لکھا ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ نے قریش کے سرداروں کو حق قبول کرنے کی دعوت دی اور انھوں نے صاف انکار کیا، ان کے اس طرزِ عمل نے حضورِ اکرم ﷺ کو سخت صدمہ پہنچایا۔ چنانچہ آپ کے اس صدمے اور بے چینی پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر وہ لوگ ایمان نہیں لاتے تو کیا تم شدتِ غم سے اپنی جان کھو دینے والے بن جاؤ گے؟ (روح المعانی، ج:٨، ص:١٩٦) آگے آپ ﷺ کی تسلی کے لیے فرمایا گیا: ﴿إِنَّا جَعَلنَا مَا عَلَى الأَرضِ زِينَةً لَّهَا لِنَبلُوَهُم أَيُّهُم أَحسَنُ عَمَلًا﴾ ”یقین جانو کہ روے زمین پر جتنی

چیزیں ہیں ہم نے انھیں زمین کی سجاوٹ کا ذریعہ اس لیے بنایا ہے تاکہ لوگوں کو آزمائیں کہ ان میں کون زیادہ اچھا عمل کرتا ہے"۔ یعنی یہ دنیا تو جائے آزمائش ہے، یہاں لوگوں کا امتحان لیا جاتا ہے کہ کون ہے جو اس چند روزہ دنیا کی سجاوٹ سے متاثر ہو کر اپنے خالق کو بھول جاتا ہے اور کون ہے جو اسے اپنے پیدا کرنے والے کی معرفت کا وسیلہ بناتا ہے اور اس کے حلال ساز وسامان سے فائدہ اٹھا کر اس پر شکر کر کے اسے اپنے لیے آخرت کا ذخیرہ بناتا ہے۔ اس اختیار کے بعد اگر کوئی جان بوجھ کر کفر و شرک کا راستہ اپناتا ہے تو اس پر آپ کو اتنا افسوس نہیں کرنا چاہیے۔ جو اچھا عمل کرے یا برا اسے آخر کار اس کا حساب دینا ہے، کیونکہ اس کے لیے ایک دن مقرر ہے: ﴿وَإِنَّا لَجَاعِلُونَ مَا عَلَيْهَا صَعِيدًا جُرُزًا﴾ "اور یہ بھی یقین رکھو کہ روے زمین پر جو کچھ ہے ایک دن ہم اسے ایک سپاٹ میدان بنا دیں گے"۔ یعنی ہم یقینی طور پر قیامت برپا کر دیں گے، پھر اس زمین پر جتنی چیزیں سجی ہوئی ہیں یہ سب اس دن ختم ہو جائیں گی اور ہم اس زمین کو ایک چٹیل میدان میں بدل دیں گے۔ پھر اس دن سب لوگوں کو اس دنیا کی ناپائیداری اور اس کی حقیقت کا اندازہ ہو جائے گا اور منکرینِ حق اپنے برے انجام سے دو چار ہوں گے۔ لہذا کسی معاند کے انکار سے آپ کو اتنا صدمہ نہیں ہونا چاہیے کہ مارے غم کے آپ اپنی جان گنوا دیں، اس لیے کہ آپ کا کام حق کی دعوت دینا ہے، اسلام قبول کرنا نہ کرنا ہر آدمی کی اپنی ذمے داری ہے۔

* * * * *

درسِ حدیث

ابنِ عباس

دِلوں کا زنگ

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ:«إِنَّ هَذِهِ الْقُلُوبَ تَصْدَأُ كَمَا يَصْدَأُ الْحَدِيدُ إِذَا أَصَابَهُ الْمَاءُ قِيلَ: يَا رَسُولَ اللهِ وَمَا جِلَاؤُهَا؟ قَالَ: كَثْرَةُ ذِكْرِ الْمَوْتِ وَتِلَاوَةُ الْقُرْآنِ». (مشکاۃ المصابیح بحوالہ شعب الایمان)

"سیدنا عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بے شک یہ دل بھی زنگ آلود ہو جاتے ہیں جیسا کہ لوہا پانی لگنے سے زنگ آلود ہو جاتا ہے"۔ پوچھا گیا: "یا رسول اللہ! اس زنگ کو دور کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ فرمایا: "موت کی کثرت سے یاد اور تلاوتِ قرآن"۔

تشریح

قلب وہ آئینہ ہے جس میں معرفتِ الٰہی کا نور پوشیدہ ہے۔ جب یہ دل صاف اور چمک دار ہو تو پھر سارے جسم میں نورِ ایمان کی تجلی یا بجلی دوڑتی ہے اور خدائی تقاضوں کے مطابق زندگی بسر کرنا انسان کے لیے آسان ہو جاتا ہے۔ یہی بات ایک دوسری حدیث میں یوں فرمائی گئی کہ جب دل صالح ہو جائے تو پورا جسم صالح ہو جاتا ہے اور اگر دل میں فساد آجائے تو پورا جسم مفسد ہو جاتا ہے۔ اسی لیے بعض حکما نے فرمایا کہ دل جسم کے لیے بادشاہ کی مانند ہے اور بقیہ جسم رعایا کی مانند ہے جو اپنے صلاح و فساد میں دل کے تابع ہے۔

زنگ سے مراد گناہوں اور غفلت کا میل کچیل ہے جو قساوتِ قلبی کا ذریعہ بنتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے جب بندہ کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے اور اگر وہ توبہ و استغفار کرلے تو دل صاف ہو جاتا ہے ورنہ وہ نقطہ پھیلتا جاتا ہے۔ اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے یہ آیتِ مبارکہ تلاوت کی تھی: ﴿كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يكسِبون﴾ ''نہیں بلکہ ان کے دلوں پر زنگ آگیا ہے بہ سبب ان اعمالِ بد کے، جو وہ کرتے تھے''۔ (سنن ترمذی)

دلوں کے زنگ کو دور کرنے کا نسخہ

اوپر ہم نے ترمذی شریف کی جس روایت کا ترجمہ نقل کیا ہے اس میں آتا ہے: «فَإِذَا هُوَ نَزَعَ وَاسْتَغْفَرَ وَتَابَ سُقِلَ قَلْبُهُ» ''پس جب بندے نے گناہوں سے ہاتھ کھینچا اور توبہ و استغفار کیا تو اس کا دل صاف ہو گیا''۔ (لغت عرب میں صقالت، سین سے بھی آتا ہے) پس معلوم ہوا کہ دل کے زنگ کو دور کرنے کے لیے پہلے تو اس کام سے الگ ہونا ضروری ہے جو اس زنگ کا سبب بنا تھا اور وہ ہے گناہوں کا ارتکاب، اس کے بعد توبہ و استغفار کرنا بھی دل کی صفائی میں معاون ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے مختلف قسم کے کلماتِ استغفار سکھائے اور یہ بھی فرمایا کہ میں دن میں ستر ستر بار استغفار کرتا ہوں یا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ کہنا کہ آپ ﷺ ایک مجلس میں سو سو بار استغفار کیا کرتے تھے تو یہ سب ہماری تعلیم کے لیے ہے کہ ہم گناہ کے بعد تو بالخصوص لیکن گناہوں کے بغیر بھی روزانہ استغفار کرتے رہیں جیسا کہ نبی کریم ﷺ کی سنت سے معلوم ہوتا ہے تاکہ ہمارا دل صاف ہو جائے اور اس میں ایمان اور محبتِ الٰہی کا نور جگمگانے لگے۔

موت کا بکثرت ذکر

مذکورہ حدیث میں جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے دل کو صیقل کرنے کا نسخہ معلوم کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: «كَثْرَةُ ذِكْرِ الْمَوْتِ». ''موت کی بکثرت یاد''۔ جاننا چاہیے کہ دنیا کی لذت و زینت

گناہوں کا سبب بنتی ہے۔ شیطان بھی انھی جذبات کو ابھار کر ہمیں گناہوں پر آمادہ کرتا ہے پس جب ہم موت کو یاد کریں گے تو اس سے دنیا کی لذت و زینت کے عارضی ہونے کا یقین ہمارے دل میں آجائے گا اور یہ یقین جتنا مضبوط ہو گا اسی قدر انسان گناہوں سے بچ کر اپنے دل کو بچا پائے گا۔ یہی بات ترمذی کی اس حدیث سے معلوم ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «أَكْثِرُوا ذِكْرَ هَادِمِ اللَّذَّاتِ» ''لذتوں کو توڑنے والی چیز کو زیادہ یاد کیا کرو''۔ راوی نے کہا کہ اس سے مراد موت ہے۔ تو موت کی یاد انسان کے دل کو نرم کرتی ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی انگوٹھی پر لکھوا رکھا تھا: كَفَى بِالْمَوْتِ وَاعِظًا ''موت بطورِ واعظ کافی ہے''۔ موت کی یاد کے طریقے بہت سارے ہیں۔ ایسا لٹریچر بھی دستیاب ہے جس میں موت کے بعد کے حالات بیان ہوئے ہیں۔ کتبِ حدیث سے بھی متعلقہ ابواب کا مطالعہ مفید ہے۔ موت اور اس کے بعد کی زندگی پر مبنی وعظ و بیانات سے بھی استفادہ کرنا چاہیے۔ اسی طرح موت کا مراقبہ بھی اہم چیز ہے۔

تلاوتِ قرآنِ پاک

حدیثِ زیرِ مطالعہ کے مطابق دلوں کے زنگ کو دور کرنے کے دوسرا ذریعہ تلاوتِ قرآنِ پاک ہے۔ قرآن پاک کی تلاوت کی تاثیر دوسرے تمام کلاموں سے زیادہ ہے۔ اس میں موت اور آخرت کی یاد بھی ہے اور دنیا و آخرت کا تقابل بھی، اس میں دنیا کی بے ثباتی اور فنا کا ذکر بھی ہے اور آخرت کی بقا کا بیان بھی ہے۔ اس میں انذار بھی ہے اور بشارت بھی، اس میں ترغیب بھی ہے اور ترہیب بھی۔ اس میں حکمت بھی ہے اور اس میں نصیحت بھی ہے۔ اس میں شیطان کی چالیں اور اس کی پیروی کرنے والوں کے عبرت انگیز انجام کا ذکر بھی ہے اور شیطانی راستوں کی مخالفت کرنے والوں کے انعام کا ذکر بھی ہے۔ اس میں اللہ و رسول کی محبت کا بیان بھی ہے اور غیر اللہ کی محبت کی نفی بھی، غرض انسان کو جس جس اعتبار سے نصیحت کی ضرورت ہے وہ تمام نصائح اس میں جمع کر دی گئی ہیں۔ اگرچہ قرآنِ کریم کی تاثیر ذاتی ہے یعنی مجرد تلاوتِ قرآن بھی نفع سے خالی نہیں ہے لیکن ترجمہ و تفسیر سے پڑھنا نہ صرف یہ کہ اس کی تاثیر میں اضافہ کرتا ہے بلکہ نزولِ قرآن

کا تکمیلی مقصود ہدایت بھی ترجمہ وتفسیر ہی سے پورا ہوتا ہے۔ کوشش کرنی چاہیے کہ روزانہ کم از کم دو بار تلاوتِ قرآن کی جائے۔ ایک وہ تلاوت جس کے ساتھ ترجمہ وتفسیر پڑھی جائے اور دوسری ترجمہ وتفسیر کے بغیر رواں تلاوت جو روحانی تازگی کا اہم ذریعہ ہے۔ دو وقت کی تلاوت کا اشارہ مختلف احادیث سے ملتا ہے مثلاً:«رَجُلٌ عَلَّمَهُ اللهُ القُرْآنَ فَهُوَ يَتْلُوهُ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ».(صحيح بخاري) ''وہ بندہ جسے اللہ نے قرآن سکھایا پھر وہ رات اور دن کی گھڑیوں میں اس کی تلاوت کرتا ہے''۔ مشہور دعائے ختمِ قرآن میں آتا ہے:«وارزقني تِلَاوَته آنَاء اللَّيْل وأطراف النَّهَار».(تخريج أحاديث الإحياء) ''اے اللہ مجھے قرآن کی تلاوت کی توفیق دے رات کی گھڑیوں میں بھی اور دن کے دونوں سِروں میں بھی''۔

دورِ حاضر میں قرآنِ کریم سے دوری عام ہے۔ لہذا، اس ضمن میں بہت کوشش کر کے قرآنِ کریم سے تعلق بنانا چاہیے۔ یہ وہ نسخۂ کیمیا ہے کہ جس کے بغیر دلوں کی زندگی اور ان کے اُجلاپے کا تصور محال ہے۔ ایک حدیثِ مبارکہ سے اس جانب اشارت ہوتی ہے:«إِنَّ الَّذِي لَيْسَ فِي جَوْفِهِ شَيْءٌ مِنَ القُرْآنِ كَالبَيْتِ الخَرِبِ».(سنن ترمذي) ''بے شک جس شخص کے باطن میں کچھ بھی قرآن جمع نہیں ہے وہ ویران گھر کی مانند ہے''۔

ذکراللہ

دلوں کے زنگ کو دور کرنے والا ایک خاص کام، جو اگرچہ حدیثِ زیرِ مطالعہ میں مذکور نہیں ہے لیکن اس کے مفہوم میں شامل ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ امام ابن القیم رحمہ اللہ نے الوابل الصيب من الكلم الطيب میں اس پر تفصیلی کلام کیا ہے، چنانچہ آپ لکھتے ہیں: وصدأ القلب بأمرين بالغفلة والذنب وجلاؤه بشيئين بالاستغفار والذكر ''دل پر زنگ دو چیزوں سے لگتا ہے ایک تو غفلت اور دوسرے گناہ اور اس کا ازالہ بھی دو چیزوں سے ہے ایک استغفار اور دوسرا، ذکرِ باری تعالیٰ''۔ آگے چل کر امام

نے لکھا ہے کہ جس کا دل جتنا غافل ہوگا اس پر اتنا ہی زیادہ زنگ چڑھے گا اور زنگ آلود قلب کی سب سے بڑی سزا یہ ہے کہ علم حقائق سے محروم ہو جاتا ہے۔ حق اسے باطل نظر آتا ہے اور باطل اسے حق نظر آتا ہے، اس طرح وہ نہ تو حق کو اختیار کر سکتا ہے اور نہ ہی باطل کا انکار کر سکتا ہے۔

ایک حدیث میں آتا ہے: «إِنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ صِقَالَةً وَإِنَّ صِقَالَةَ الْقُلُوبِ ذِكْرُ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ». (الترغيب والترهيب للمنذري، شعب الإيمان) ”ہر چیز کی صقالت کا کوئی آلہ ہوتا ہے اور دل کو چمکانے والی چیز اللہ تبارک و تعالیٰ کا ذکر ہے“۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: «إِنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ جِلَاءً وَإِنَّ جِلَاءَ الْقُلُوبِ ذِكْرُ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ». (شعب الایمان) ”ہر چیز کو اُجلانے کا کوئی نہ کوئی ذریعہ ہوتا ہے اور دلوں کا اُجالا اللہ تعالیٰ کے ذکر میں ہے“۔ ذکر میں صبح و شام کے اذکار، معمولاتِ زندگی اور مخصوص مواقع کی دعائیں شامل ہیں۔ جاننا چاہیے کہ دوسرے امورِ دین کی طرح ذکر بھی ایک سیکھنے کی چیز ہے جو اہلِ ذکر کی صحبت میں رہ کر سیکھا جاتا ہے۔ خاص طور وہ لوگ جو تصوف کے سلسلوں سے منسلک ہیں انھیں چاہیے کہ وہ اپنے شیخ کے سکھائے ہوئے معمولاتِ ذکر کا خاص اہتمام رکھیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں دلوں کو چمکانے اور اس کے لیے محنت کی توفیق عطا فرمائے۔

*****

مقالات

حضرت مولانا مجد القدوس خبیب رومی دامت برکاتہم العالیہ

اصلاحی مجلس

قسط نمبر ۲

گزشتہ دنوں مدرسہ عربیہ مظاہرِ علوم، سہارنپور کے صدر مفتی حضرت مولانا مفتی مجد القدوس خبیب رومی صاحب دامت برکاتہم العالیہ تشریف لائے ہوئے تھے، اس سفر کے دوران آپ نے فقہ اکیڈمی کا دورہ بھی کیا۔ اکیڈمی کے جملہ اراکین واحباب کے لیے باعثِ سعادت ہے کہ حضرت نے فقہ اکیڈمی کو رونق بخشی اور قیمتی نصائح سے نوازا، حضرت کی گفتگو ٹرانسکرپشن اور ضبط وترتیب کے بعد پیشِ خدمت ہے

حضرت مولانا ابرار الحق صاحب نے فرمایا کہ ایک دفعہ میں حضرت خواجہ مجذوب الحسن صاحب کے ساتھ آیا تھا، حضرت چونکہ شکار کا بھی شوق رکھتے تھے، بڑے چست مزاج کے آدمی تھے، تو فرمایا کہ دہرہ دون سے مسوری پہاڑ پر سواری سے نہیں چلیں گے، پہاڑوں میں سے چلیں گے۔ اور راستے میں حضرت نے پہاڑ پر چڑھتے ہوئے فرمایا: مولوی ابرار الحق! مسوری آنا کس کے لیے جائز ہے؟ یہ عجیب مسئلہ ہے، مسوری آنا کس کے لیے جائز ہے؟ میں سمجھ گیا کہ حضرت کچھ بتلانا چاہتے ہیں۔ میں نے خواجہ صاحب سے عرض کیا کہ حضرت ہی فرمائیں! فرمایا: جس کو مشق ہو نظر بر قدم بر شجر بر حجر کی، وہ ایسی جگہ جائے۔ جس کو اِدھر اُدھر بدنظری کا خطرہ ہو، یہاں اُس کے لیے آنا جائز نہیں ہے، کیونکہ وہاں طرح طرح کے لوگ پہنچتے ہیں۔ تو حضرت نے اس تفریحی مقام کا ادب بتایا کہ جس کو مشق ہو، وہ ایسی جگہ جائے، نظر بر قدم بر شجر بر حجر، ورنہ اگر

اِدھر اُدھر دیکھنے بھالنے کی عادت ہے اُس کے لیے آنا جائز نہیں۔ بتائیے یہ سب آداب کون بتلا رہا ہے؟ عارف، کیونکہ یہ عارف تھے۔ عارف اور عالم میں فرق ہوتا ہے۔ جیسے کہ علامہ اقبالؔ مرحوم ہمارے حضرت اکبرؔ الہ آبادی مرحوم کو عارف کہتے تھے۔ حضرت تھانوی بھی اُن کو عارف فرماتے ہیں۔ عارفِ زمانہ، متدین شاعر، ایک زمانے میں علامہ نے لکھا:

خاکِ وطن کا مجھ کو ہر ذرّہ دیوتا ہے

تو حضرت اکبر نے پسند نہیں کیا، یہ کیا مشرکانہ تصور ہے؟ پھر انھوں نے لکھا کہ:

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا

کہا: نہیں، ابھی نہیں پہنچے حقیقت تک، پھر انھوں نے تیسرے دور میں لکھا:

چین و عرب ہمارا، ہندوستاں ہمارا
مسلم ہیں ہم، وطن ہے سارا جہاں ہمارا

کہا: حضرت اب تو خوش ہو جائیں گے؟ حضرتِ اکبر نے جواب لکھا: نہیں بھئی، اور فرمایا:

رقبے کو کم سمجھ کر اقبال بول اٹھے ہیں
ہندوستان کیسا، سارا جہاں ہمارا
لیکن یہ سب غلط ہے، کہنا یہی ہے لازم
جو کچھ ہے سب خدا کا، وہم و گماں ہمارا

تو علامہ اقبال نے لکھا کہ حضرت میں آپ کے سامنے ہاتھ جوڑتا ہوں، آپ عارِف، میں شاعر۔ تو حضرت تھانوی بھی اُن کو عارف فرمارہے ہیں، علامہ نے بھی اُن کو عارف مانا اور جب اکبر کا انتقال ہوا تو اُن کے بیٹے کو علامہ اقبال نے جب تار دیا ہے، تعزیتی خط بھی لکھا۔ اُس میں لکھا کہ ”آپ کے والدِ بزرگ وار، ہمارے زمانے کے سب سے سمجھ دار اور دانش مند آدمی تھے“۔ میرا بھی خیال یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اِن کو عقل و

دانش اور شعور سے بڑا حصہ عطا فرمایا تھا، ورنہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ ہرکس وناکس کے معترِف ہو جائیں؟ میں نے اپنے والد صاحب سے سنا، اُنھوں نے اپنے والد صاحب سے سنا کہ حضرت اکبر الہ آبادی مرحوم کی عیادت کو حضرت تھانوی رحمہ اللہ الہ آباد تشریف لائے تو اُس وقت وہ مرض الوفات میں تھے۔ حضرت سے عمر میں کافی بڑے تھے۔ وہ چونکہ جج تھے، جو اُن کا بنگلہ تھا، اُس کا نام عشرت منزل تھا، میں نے دیکھا ہے۔ تو وہاں حضرت تشریف لے گئے اور غالبًا نمازِ مغرب کا وقت ہو گیا۔ تو اُنھوں نے درخواست کی کہ حضرت آپ نماز پڑھا دیں، تو حضرت نے نماز پڑھا دی۔ نماز کے بعد اُنھوں نے حضرت سے عرض کیا کہ حضرت میں نے آپ کی اقتدا میں جو نماز پڑھی ہے، اس سے مجھے اپنی مغفرت کی امید ہو گئی ہے۔ وہ حضرت کے بڑے معتقد تھے اور حضرت اُن کے معترف تھے کہ بات کہنے کا بڑا سلیقہ رکھتے ہیں۔

میں نے حضرت مولانا ابرار الحق صاحب سے ایک واقعہ یہ بھی سنا کہ ہمارے حضرت خواجہ مجذوب الحسن صاحب جس مجلس میں ہوتے تھے تو باوجودیکہ بڑے بڑے علماے اعلام، بڑے اصحابِ علم وفضل موجود ہوتے تھے مگر متکلّم اُس مجلس میں حضرت خواجہ صاحب ہوتے تھے۔ مولانا ابرار الحق صاحب نے فرمایا کہ میں دیوبند میں حضرت خواجہ صاحب کے ساتھ گیا تو حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اور حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب اُن کے ساتھ بیٹھے تھے۔ فرمایا کہ حضرت کو محویت ہو جاتی تھی، شاعر بھی تھے، علامہ سید سلیمان ندوی سے کسی نے پوچھا کہ آپ میں اور مجذوب صاحب میں کیا فرق ہے؟ فرمایا کہ میں خطیب ہوں، وہ شاعر ہیں، خطیب کی نظر مجمعے پر ہوتی ہے، شاعر کی اپنے اوپر ہوتی ہے، مجمع سن رہا ہے یا سو رہا ہے اِس سے کوئی بحث نہیں۔ فرمایا کہ دوستی تو ہے ہماری اُن کی لیکن فرق یہ ہے۔ بہرحال، فرمایا کہ خواجہ صاحب اور دیگر حضرات دار الاہتمام میں بیٹھے اور حضرت مہتمم صاحب نے ادبًا اُن سے نہیں فرمایا کہ چھٹی ہو گئی ہے۔ جب ایک گھنٹا زائد ہو گیا تو گھڑی دیکھ کے فرمایا اچھا، دیر ہو گئی؟ اُنھوں نے فرمایا کہ حضرت کچھ حرج نہیں، کہا: کتنی دیر ہوئی؟ کہا: ایک گھنٹا۔ حضرت خواجہ صاحب نے جیب سے پیسے نکالے اور فرمایا: یہاں پنکھا چل رہا تھا، یہ رقم مالیات میں داخل کر دیجیے گا۔ تو اُس محویت میں حقوق العباد اور حقوق اللہ وہ سبق نہیں

بھولے جو حضرت کے ہاں پڑھا تھا۔

ہم نے آغاز میں سورۃ العصر کی تلاوت کی جس میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے زمانے کی قسم کھائی ہے، زمانے سے کیا مراد ہے؟ مفسرین نے مختلف اقوال نقل کیے ہیں، بہترین، مختصر اور جامع تفسیر ہمارے شیخ الاسلامِ والمسلمین حضرت مولانا علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ کی ہے۔ جن کے بارے میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا یہ ارشاد میں نے پڑھا کہ جماعتِ دیوبند میں مولوی شبیر احمد عثمانی گو عمر میں مجھ سے چھوٹے مگر علم و فضل میں بڑے ہیں۔ تو علامہ شبیر احمد صاحب کی ایک جلد میں بڑی جامع تفسیر، دریا بکوزہ، جو تعریف علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ نے لکھی ہے، یادِ رفتگاں میں اُنھی کا تذکرہ کرتے کرتے اچانک حضرت کا وصال ہو گیا اور وہ تذکرہ پورا نہیں ہوا ہے۔ اُس میں اُنھوں نے اُس تفسیر کی جو تعریف کی ہے، بعینہ بلفظہ وہی تعریف میں نے حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی رحمہ اللہ سے سنی۔ علامہ عثمانی رحمہ اللہ نے اُن سے پوچھا تھا کہ آپ دار العلوم ندوۃ العلماء میں کیا پڑھاتے ہیں؟ تو انھوں نے کہا کہ حضرت کچھ ادب کی کتابیں ہیں اور کچھ قرآنِ پاک کا ترجمہ اور تفسیر ہے۔ علامہ نے پوچھا: اچھا، اور آپ نے ہمارا موضح الفرقان جو حاشیۂ تفسیر ہے، شیخ الہند رحمہ اللہ کے ترجمے پر، وہ دیکھا ہے؟ علی میاں رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا: حضرت میں مستقل دیکھتا ہوں، مستفید ہوتا ہوں۔ فرمایا: آپ کیا محسوس کرتے ہیں؟ کہا کہ حضرت اُس میں قولِ فیصل مل جاتا ہے، اگر اٹھارہ، بیس تفسیروں میں تردد ہو کہ قولِ فیصل کیا ہے، تو وہ اُس میں مل جاتا ہے۔ تو حضرت نے فرمایا: ماشاء اللہ، آپ قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، ایسا ہی ہے، میں نے اٹھارہ بیس، تفسیروں کے بعد، جس پر مجھے شرحِ صدر ہوا کہ یہ ہونا چاہیے، وہ تعبیر میں نے اختیار کی، اُس میں قولِ فیصل ہی لکھنے کی کوشش کی ہے۔ آپ ماشاء اللہ قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

بہرحال، بات ہو رہی تھی کہ تفسیرِ عثمانی میں علامہ نے لکھا: "مقرر انسان ٹوٹے میں ہے"۔ یعنی سارے انسان خسارے میں ہیں، نقصان میں پڑے ہوئے ہیں مگر کون سے انسان مستثنٰی کیے گئے؟ چار طبقے: مومنین صالحین، یعنی عقائد اُن کے بالکل درست ہوں۔ ایمانیات سے مراد سارے عقائد درست ہونا، اگر آدمی کا ایمان

اور سارے عقائد درست نہیں ہیں تو وہ مومن نہیں ہے، سارے عقائد درست ہوں تو ایمانیات کی تکمیل ہوگی۔ اس کے ساتھ ساتھ عمل بھی نیک ہو، ایسے لوگ خسارے میں نہیں ہیں۔ تیسرا طبقہ ان کا ہے جو حق کی ایک دوسرے کو تلقین کرتے ہیں اور حق پر استقامت کے نتیجے میں جو مشکلات پیش آتی ہیں، ان پر صبر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿أَحَسِبَ النَّاسُ أَن يُتْرَكُوا أَن يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ﴾ کہ کیا تم نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ بس تم آمنّا کہہ دو گے؟ بس آمنّا و صدّقنا کہنے کے بعد چھٹی، راستہ صاف؟ تم کو آزمایا نہیں جائے گا اور فتنے میں نہیں ڈالا جائے گا؟ فرمایا: جو جتنا اللہ سے قریب ہے، انبیا، صدیقین، شہدا اور صالحین، اُن کے قرب کے بقدر اُن کی آزمائش ہوتی ہے۔ اور صبر کرنے کا مطلب پٹنا نہیں ہے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ لوگ کہتے ہیں کہ جان دے دیں گے، شہید ہو جائیں گے، نہیں بھئی: ﴿يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ﴾ فرمایا: وہ تو نتیجتاً شہید ہونا ہے، پہلے کسی کو قتل کرو پھر تم جانا۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ کو لکھا ہے کہ اس وقت لوگوں میں جذبۂ جہاد اور جذبۂ جنگ میں خلط ہو رہا ہے، جذبۂ جہاد مومنانہ جذبہ ہے اور جذبۂ جنگ کافرانہ جذبہ ہے، اُس میں فقط قوم و وطن کا تحفظ مقصود ہوتا ہے، اعلاے کلمۃ اللہ مقصود نہیں ہوتا۔ اسی کو ہمارے حضرت خواجہ مجذوب رحمہ اللہ نظم میں فرماتے ہیں:

جس کو دیکھو لڑ رہا ہے ما و من کے واسطے
کر رہا ہے جان کو قربان تن کے واسطے
سب تو ہیں شمشیر زن قوم و وطن کے واسطے
تو اٹھا تلوار ربِ ذوالمنن کے واسطے

جب ۱۹۸۰ء میں دار العلوم دیوبند کا اجلاس صد سالہ ہوا تو حضرت مہتمم صاحب کے اوپر فکر اور بوجھ تھا، اُس دن حضرت نے حضرت مولانا علی میاں رحمہ اللہ سے فرمایا کہ آج بیان آپ فرما دیں۔ تو حضرت مولانا

علی میاں نے تقریباً پون گھنٹا اردو میں خطاب فرمایا، پھر اُس کو فضلاے عرب کے واسطے عربی میں بھی دہرایا۔ تو اُس میں جو خلاصتاً حضرت نے بات فرمائی تھی کہ بھئی یہ دیوبندی کہا جاتا ہے، فرمایا: دیوبندی کسے کہتے ہیں؟ دیوبندی تو دیوبند کے رہنے والے کو کہتے ہیں، یہ کسی دین و مذہب، مسلک و مشرب کا ترجمان نہیں ہے۔ فرمایا: لیکن جو یہ لفظ ہے، جس کے لیے عرفِ عام میں اس کو بولا جاتا ہے یعنی دیوبندی، اُس کے لیے چار شرطیں ہیں، چار اوصاف ہیں، چار صفات ہیں۔ اگر وہ نہیں ہیں تو اُس کو دیوبندی کہنے کا، قاسمی لکھنے کہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ وہ چار اوصاف ہیں: تعلق مع اللہ، یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ اُس کا تعلق، ذکر اللہ، یعنی اللہ تعالیٰ کی یاد اُس کے دل و دماغ میں رچی بسی ہوئی ہو، اتباعِ سنتِ رسول اللہ اور اِعلاے کلمۃ اللہ۔ فرمایا: یہ چار چیزیں اگر وہ رکھتا ہے، تب اُس کو کہا جائے گا کہ یہ ہے قاسمی، یہ ہے دیوبندی۔ اسی لیے حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہمارے تین افراد معیاری ہیں: امام الاصول حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی، امام الفروع حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اور جامع الاصولِ والفروع حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہم۔ اللہ تعالیٰ نے اسی طرح اہلِ صراط مستقیم ہر زمانے میں بھیجے ہیں۔ یہ بالکل غلط فہمی ہے کہ کوئی معیارِ حق نہیں، در پردہ کیا کہنا مراد ہوتا ہے کہ ہم ہی ہیں معیارِ حق، ہم ہی کو مان لو سب کچھ، یہ تو ادّعا ہے، دعویٰ ہے، اسی لیے میں نے حضرت مولانا ابرار الحق رحمہ اللہ کو کبھی وجد کی کیفیت میں نہیں دیکھا۔ حضرت، غالب علی الاحوال تھے، حضرت کی مغلوب الحال کیفیت نہیں تھی۔ والد صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ فلاں نے لکھا ہے کہ کوئی معیارِ حق نہیں، عجیب بے ڈھنگی بات لکھی ہے۔ فرمایا کہ ہر زمانے میں اللہ تعالیٰ نے انبیا اور صدیقین، شہدا اور صالحین کی شکل میں معیارِ حق، اہلِ حق پیدا فرمائے ہیں۔ اور ہمارے لیے حکیم الامت، مجدد الملت، محی السنۃِ الظاہرہ والباطنہ حضرت مولانا تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کو معیارِ حق بنایا۔ یہ سن کر حضرت مولانا ابرار الحق صاحب کے اوپر ایک کیفیت طاری ہوگئی۔ فرمایا: بے شک، بے شک، بے شک، بار بار تکرار فرمایا بے شک۔

تو یہ میں عرض کر رہا تھا کہ حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حضرت علامہ محمد ابراہیم

بلیاوی رحمہ اللہ فرماتے تھے: ’’ہمارے لیے امام الاصول حضرت نانوتوی رحمہ اللہ ہیں، امام الفروع حضرت گنگوہی رحمہ اللہ ہیں اور جامع الاصول والفروع حضرت تھانوی رحمہ اللہ ہیں۔ اسی طرح شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ نے حضرت مولانا مفتی محمود گنگوہی رحمہ اللہ کے قلم سے حضرت مولانا حکیم محمد ایوب سہارنپوری رحمہ اللہ کو مدرسے کے مذہب و مسلک و مشرب کے سلسلے میں لکھوایا تھا کہ اکابرِ مظاہرِ علوم کا ارشاد ہے کہ مدرسے کا مذہب و مسلک و مشرب سنّیت، حنفیت اور چشتیت ہے۔ اور اس کی تشریح و توضیح بھی کر دینی چاہیے، کیونکہ ہر کس و ناکس اپنے آپ کو سنیُ المذہب، حنفیُ المسلک اور چشتیُ المشرب قرار دینے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس لیے یہ کیسے پتا چلے گا کہ یہ سنیت، حنفیت اور چشتیت کیا ہے، اس کی تعبیر کیا ہونی چاہیے۔ پس جو تعبیر فقیہُ النفس حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حجۃُ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہم اللہ کی کتابوں سے معلوم ہوتی ہے وہ سنیت، حنفیت اور چشتیت کے بارے میں معتبر و معتمد اور مستند ہوگی۔

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ اور حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے درمیان فرق حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ جب حضرت نانوتوی بات کرتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ کوزے سے دریا بہا رہے ہیں، جب حضرت گنگوہی بولتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ یہ دریا کو کوزے میں بند کر رہے ہیں۔ تو وہ ایک بات سے دوسری بات، تیسری بات، چوتھی بات فرماتے تھے۔ حضرت حکیم الاسلام رحمہ اللہ نے متن لکھا اور تیس سال میں باقاعدہ اس کی شرح ’’علمائے دیوبند کا دینی رخ اور مسلکی مزاج‘‘ لکھی ہے۔ اس میں وہ فرماتے ہیں کہ ہم دیناً مسلم، مذہباً سنی، مسلکاً حنفی، مشرباً صوفی اور قوسین میں لکھا جامعِ سلاسلِ صوفیا، چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ، سہروردیہ اور اعتقاداً و کلاماً اشعری اور ماتریدی، فکراً ولی اللّٰہی، اصولاً قاسمی، فروعاً رشیدی، بیاناً یعقوبی اور نسبتاً دیوبندی ہیں۔ گویا ﴿تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ﴾ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان نسبتوں سے ہم سب کو وابستہ رکھیں۔ ﴿نَطْمَعُ أَن يُدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصَّالِحِينَ﴾ ﴿تَوَفَّنَا مُسْلِمًا وَأَلْحِقْنَا بِالصَّالِحِينَ﴾ غير خزايا ولا ندامىٰ ولا مفتونين.

والد محترم ترجمانِ حق حضرت مولانا مفتی عبد القدوس رومی فرماتے تھے کہ فقہاے دیوبند کا مصداق تین ہیں: نمبر ایک فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، نمبر دو محدث فقیہ حضرت مولانا خلیل احمد انبہٹوی، نمبر تین حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ احقر کا ایک مختصر سا تجزیہ ہے جو بنیادی حیثیت سے تربیتِ والدین، تعلیمِ معلمین، اصلاحِ مصلحین اور مرشدین سے متعلق ہے۔ یہ سلسلہ، یہ وابستگی اِسی ترتیب سے جہاں رہے گی، وہاں گھر بھی بن جائے گا بلکہ نسل بن جائے گی۔ جہاں صرف والد، شوہر دین دار ہوتا ہے، وہاں گھر دین دار ہوتا ہے اور جہاں عورت دین دار ہوتی ہے، وہاں نسل دین دار ہو جاتی ہے، اِتنا فرق ہے۔ اور اگر دونوں دین دار ہوں تو نورٌ علی نور، گھر اور نسل دونوں دین دار ہو جائیں گے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہم سب کو اتباعِ سنت، اہتمامِ شریعت اور التزامِ طریقت نصیب فرمائیں، اُسی پر گامزن رکھیں۔ جب تک ہم سب جییں، اسلام پر جییں، جب خاتمہ ہو تو کمالِ ایمان پر ہو۔ دنیا میں اللہ تعالیٰ ہدایت پر قائم رکھیں، آخرت میں بلا حساب و کتاب نجات عطا فرمائیں۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

* * * * *

مولانا حماد احمد ترک

شوکتِ سنجر و سلیم

عثمانی سلاطین کی سلسلہ وار تاریخ

قسط نمبر ۹

۱۹: محمد خان رابع (۱۶۴۲۔ ۱۶۹۳ء)

محمد خان رابع ابھی تحصیلِ علم کے مرحلے میں تھے کہ عثمانی تخت کا بوجھ ان کے ناتواں کاندھوں پر رکھ دیا گیا۔ ان کے والد سلطان ابراہیم کی معزولی و شہادت نے محض سات سال کی عمر میں محمد خان کو سلطان بنا دیا۔ یہ ۱۶۴۸ء کا زمانہ تھا۔ طویل عرصے تک سلطنت کے امور حرم کی خواتین چلاتی رہیں۔ اس دوران متعدّد صدرِ اعظم آتے اور جاتے رہے (عثمانیوں میں سلطان کے بعد صدرِ اعظم کا مرتبہ تھا، اسے وزیرِ اعظم بھی کہہ سکتے ہیں) لیکن سلطنت مستقل زوال کی طرف بڑھتی رہی۔ کہیں باغیوں کی شورش تو کہیں عثمانی فوج کے مظالم، کہیں افسروں کی بد عنوانی تو کہیں دشمن ممالک کے حملوں کا خوف، اس عرصے میں سلطان کا امورِ ریاست سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ سلطان کو اگر دلچسپی تھی تو صرف شکار سے تھی اور سلطان محمد خان رابع کا لقب ہی ''شکاری'' پڑ گیا تھا۔ ۱۶۵۶ء میں والدۂ سلطان نے ایک انتہائی موزوں شخص کو صدرِ اعظم کے طور پر منتخب کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ شخص ''محمد کوپریلی'' تھا، تعلیم و تعلم سے بے بہرہ اور ان پڑھ لیکن ریاستی امور میں بہت ماہر۔ محمد کوپریلی نے ان شرائط کے ساتھ یہ عہدہ قبول کیا کہ مجھے سلطنت پر کلی اختیار حاصل ہوگا۔

سلطان مجھ سے کسی معاملے پر باز پرس نہیں کریں گے۔ میرا ہر فیصلہ تسلیم کرنا ہو گا۔ میں جسے چاہوں معزول کروں اور جسے چاہوں مقرر کروں میرے فیصلے پر سوال نہیں اٹھایا جائے گا اور میرے خلاف کسی قسم کی شکایت قابلِ سماعت نہیں ہوگی۔ والدۂ سلطان نے محمد کوپریلی کی اہلیت کے پیشِ نظر ان شرائط کو منظور کیا اور کوپریلی نے نظامِ حکومت کی اصلاح کا آغاز کر دیا۔

کوپریلی نے اصلاح کے لیے سلطان مراد خان رابع کا طرز اختیار کیا اور ہر ہر محکمے پر سختی کی انتہا کر دی۔ ہر وہ شخص جو (چاہے فوجی افسر ہو یا کوئی اور عہدے دار) ذرا سی مخالفت کرتا، قتل کر دیا جاتا۔ جو معمولی شبہے کی زد میں آتا، اسے اپنی زندگی سے ہاتھ دھونا پڑتا۔ تمام نااہل افسر معزول کیے گئے اور اہل لوگ متعیّن ہوئے۔ چند ہی سالوں میں نظامِ حکومت مستحکم ہو گیا۔ محض پانچ سالوں میں ہر طرف امن و امان ہو گیا۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ اس پانچ سالہ اصلاحی مہم میں چھتیس ہزار لوگ قتل ہوئے۔ اس عرصے میں محمد کوپریلی نے بحری بیڑے کو از سرِ نو منظم کیا اور بحری قوت میں اضافہ کیا۔

۱۶۶۱ء میں محمد کوپریلی کی وفات پر ان کا بیٹا احمد کوپریلی صدرِ اعظم بنا۔ احمد کوپریلی بھی صلاحیتوں میں اپنے والد کی طرح تھا البتہ مزاج میں سختی بالکل نہیں تھی۔ احمد کوپریلی نہایت صاحبِ علم اور علوم و فنون سے آراستہ شخص تھا۔ خوش اخلاقی، تواضع اور پابندیٔ شریعت کے سبب اسے فاضل احمد کہا جاتا تھا۔ ۱۶۶۳ء میں احمد کوپریلی بذاتِ خود عثمانی لشکر کی قیادت کرتا ہوا آسٹریا کی طرف بڑھا اور بلغراد سے ہوتا ہوا نوہزل پہنچ گیا۔ محض پانچ ہفتوں کے محاصرے میں یہ مضبوط قلعہ عثمانیوں کے قبضے میں آ گیا۔ ۱۶۶۴ء میں احمد کوپریلی دوبارہ لشکر کے ساتھ روانہ ہوا۔ چھوٹی موٹی فتوحات کے بعد آسٹریا کے فوج سے مقابلے کے لیے سینٹ گاتھرڈ کے میدان میں پہنچا تو معلوم ہوا کہ مقابلے پر آسٹریا کے ساتھ ساتھ ہنگری اور فرانس کی فوج بھی موجود ہے۔ عثمانیوں کے پاس سلطان سلیمان القانونی کے عہد کے ہتھیار تھے جبکہ یورپ اس عرصے میں جنگی ساز و سامان میں بہت ترقی کر چکا تھا۔ عثمانیوں نے جم کر مقابلہ کیا لیکن عیسائی افواج غالب آ گئیں۔ عثمانی فوج کو شدید نقصان اٹھا کر واپس آنا پڑا۔ اس شکست کے بعد آسٹریا سے صلح کر لی گئی۔

گزشتہ طویل عرصے سے کریٹ پر عثمانی لشکر بر سرِ پیکار تھا لیکن خاطر خواہ فوائد حاصل نہیں ہو سکے تھے۔ ۱۶۶۷ء میں احمد کوپریلی نے لشکر کے ساتھ کینڈیا پہنچ کر محاصرہ کر لیا۔ چند دنوں میں ہی یہ محاصرہ شدت اختیار کر گیا۔ دوسری طرف فرانس کے جہاز اہلِ وینس کی مدد کو پہنچے اور عثمانی لشکر پر شدید گولہ باری کی لیکن احمد کوپریلی کی ثابت قدمی کے آگے مخالفین کی پیش نہ گئی۔ طویل محاصرے سے تنگ آکر ۱۶۶۹ء میں محصورین نے ہتھیار ڈال دیے اور کریٹ پر عثمانیوں کا قبضہ ہو گیا۔ ۱۶۷۲ء میں سلطان محمد خان رابع بھی احمد کوپریلی کے ساتھ جنگ پر روانہ ہوا اور پولینڈ کے دو اہم شہر فتح کر لیے۔ عثمانی فوج سے خائف ہو کر شاہِ پولینڈ نے صلح کی درخواست کی جو منظور کر لی گئی اور لشکر واپس آگیا۔

۱۶۷۳ء میں احمد کوپریلی کی وفات پر سلطان نے صدرِ اعظم کے عہدے پر اپنے داماد قرہ مصطفیٰ کو مقرر کیا۔ یہ تقرری سلطنت کے حق میں انتہائی نامبارک ثابت ہوئی۔ قرہ مصطفیٰ ایک حریص اور خود غرض انسان تھا۔ قرہ مصطفیٰ کی حرص اور بد انتظامی سے ہر شعبے میں خرابی آنی شروع ہو گئی اور افسران و رعایا سب اس کی سختی سے تنگ ہو گئے۔ رشوت کے عوض عہدے تقسیم ہونے لگے اور سرکاری اَملاک ذاتی استعمال میں صرف ہونے لگیں۔ ۱۶۸۲ء میں قرہ مصطفیٰ نے آسٹریا پر حملے کا ارادہ کیا اور دو لاکھ پچھتر ہزار فوج لے کر روانہ ہوا۔ ۱۶۸۳ء میں عثمانی لشکر نے ویانا کا محاصرہ کر لیا۔ اس عظیم لشکر کے ساتھ ویانا جیسے اہم شہر کو فتح کرنا مشکل نہیں تھا۔ محاصرے کے دوران قلعے کی دیواریں بھی گولہ بھاری سے مخدوش ہو چکی تھیں لیکن قرہ مصطفیٰ نے سپاہیوں کو حملے کی اجازت نہیں دی۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ قرہ مصطفیٰ پرلے درجے کا لالچی انسان تھا اور چاہتا تھا کہ اہلِ شہر ہتھیار ڈال دیں تاکہ سارا مال قرہ مصطفیٰ کے قبضے میں آجائے، جبکہ حملہ کرنے کی صورت میں بہت سا مال تلف ہونے اور مجاہدین میں تقسیم ہونے کا خدشہ تھا۔ محض ذاتی فائدے کے لیے قرہ مصطفیٰ نے عام حملے کو اتنا مؤخر کیا کہ ویانا کے لیے بڑی تعداد میں کمک پہنچ گئی۔ یہ کمک دو لشکروں پر مشتمل تھی: ایک لشکر پولینڈ کا تھا جس کی قیادت مشہور جنرل سوبیسکی کر رہا تھا جبکہ دوسرا لشکر آسٹریا کا تھا جس کی رہنمائی شہزادہ چارلس آف لورین کر رہا تھا۔ اس متحدہ لشکر کے حملے میں ترکوں کو بھاری جانی اور مالی نقصان اٹھانا پڑا۔ تین سو توپیں اور گولہ بارود کی

ہزاروں گاڑیاں عیسائی لشکر کے قبضے میں چلی گئیں۔ بے شمار عثمانی مجاہدین شہید ہوئے اور قرہ مصطفیٰ جان بچاکر بوداکی طرف بھاگ کھڑا ہوا جہاں اسے سلطان کے حکم پر قتل کر دیا گیا۔ اس شان دار فتح سے اہلِ یورپ میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور انھوں نے ترکوں کے خلاف ایک متحدہ لشکر تشکیل دیا۔ ۱۶۸۴ء میں آسٹریا، پولینڈ، وینس اور مالٹا اس اتحاد میں شامل ہوئے، ۱۶۸۶ء میں روس بھی اس اتحاد کا حصہ بن گیا۔ اس کے ساتھ ہی سلطنتِ عثمانیہ کا وجود گھٹنا شروع ہو گیا۔ وہ شہر جنھیں سلیمان القانونی نے فتح کیا تھا یکے بعد دیگرے عیسائیوں کے قبضے میں جانے لگے۔ ترکوں کے پاس جنگی سامان بہت تھوڑا رہ گیا تھا۔ نئے سامان کی تیاری کے لیے طویل عرصہ درکار تھا۔ اس شکست وریخت سے تنگ آکر لوگوں نے سلطان کی معزولی کا مطالبہ شروع کر دیا جس کے نتیجے میں ۱۶۸۷ء میں سلطان محمد خان رابع کو معزول کر دیا گیا۔ سلطان محمد خان رابع بھی سابقہ سلاطین کی طرح علم پرور انسان تھے۔ مؤرخین کی بہت حوصلہ افزائی کرتے تھے، مصنفین کی سرپرستی ان کا معمول تھا۔ شکار کے بے حد شوقین تھے، تعمیرات کا ذوق آبا سے ورثے میں ملا تھا۔ استنبول کا مشہور مصر بازار انھوں نے ہی تعمیر کروایا جو آج بھی سیاحوں کے لیے اہمیت کا حامل ہے۔ اسی طرح استنبول کے علاقے ایمی نونو میں واقع ینی جامی (نئی مسجد) بھی اسی دور کی یادگار ہے جسے عثمانی طرزِ تعمیر کے شاہ کاروں میں نمایاں مقام حاصل ہے۔ سلطان محمد خان رابع دوسرے طویل ترین عہدِ حکومت رکھنے والے سلطان ہیں جنھوں نے تقریباً انتالیس سال حکومت کی۔ ان سے قبل سلیمان القانونی چھیالیس سال سلطان رہ چکے ہیں۔

۲۰: سلیمان خان ثانی (۱۶۴۲ـ۱۶۹۱ء)

سلطان سلیمان خان ثانی کم سنی میں ہی محل میں نظر بند کر دیے گئے تھے۔ البتہ تعلیم وتربیت کے لیے کبار علما سے استفادہ کرتے رہے۔ ۱۶۸۷ء میں اپنے بھائی کی معزولی پر تخت نشین ہوئے۔ سلیمان ثانی کو جو ریاست ملی وہ اندرونی وبیرونی ہر جانب سے خطرات کا شکار تھی۔ متعدّد مفتوحہ خطے واپس دشمنوں کے قبضے میں جا چکے تھے۔ فوج میں لڑنے کی سکت نہیں تھی۔ مزید یہ کہ فوج اپنے ہی شہریوں پر ظلم وستم ڈھانے میں مشغول

تھی۔ ریاستی امور فوجی افسروں کی دھمکیوں پر چلتے تھے۔ سلطان سلیمان ثانی نے بڑی حکمت سے ان مسائل کا سامنا کیا۔ اندرونی طور پر فوج کو قابو کرنا اور بیرونی طور پر پے در پے شکستوں کو روکنا یہ دو اہم مسئلے سلطنت کو درپیش تھے۔ آسٹریا، وینس، پولینڈ، روس اور یورپ کا متحدہ لشکر سلطنتِ عثمانیہ کے نحیف جسم کو درندوں کی طرح نوچ رہا تھا۔ متعدّد صدرِ اعظم تبدیل ہو چکے تھے۔ ایسے میں سلطان نے بعد از مشاورت کوپریلی خاندان کے مصطفیٰ پاشا کو پریلی کو صدرِ اعظم منتخب کیا۔ کوپریلی خاندان کی خدمات سلطنت میں کسی تعارف کی محتاج نہیں تھیں اور اب بھی مصطفیٰ کوپریلی مسائل حل کرنے میں زیادہ وقت نہیں لگا۔ کہیں بہت نرمی کے ساتھ اور کہیں سختی کے ذریعے مصطفیٰ پاشا نے جملہ مسائل کو کم کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ اندرونی مسائل سے فارغ ہو کر مصطفیٰ پاشا نے آسٹریا کی گوش مالی کا فیصلہ کیا۔ ایک مجلس میں ترک اور غیر ترک کمانداروں کو جمع کیا اور مقدونیا پر ہونے والے متوقع حملے سے بچنے کی تدبیر پر مشاورت کی۔ اس کے بعد ترکوں اور تاتاریوں کا متحدہ لشکر مقدونیا روانہ ہوا اور جرمنی، آسٹریا اور البانیا کے متحدہ لشکر کو شکست سے دوچار کیا۔

۱۶۹۰ء میں مصطفیٰ کوپریلی ایک بڑے لشکر کے ساتھ بلغاریہ کے راستے نیش پہنچا۔ اس سفر میں صوفیا، نیش اور سمندریا کی فتح ترکوں کی حصے میں آئی۔ اسی سفر میں مصطفیٰ کوپریلی نے محض بارہ روز کے محاصرے کے بعد بلغراد فتح کر لیا اور سرویا سے آسٹریا کی فوج کا مکمل خاتمہ کر دیا۔ بلغراد کی فتح کوپریلی کا غیر معمولی کارنامہ تھا۔ اس فتح سے واپسی پر مصطفیٰ کوپریلی کا شاندار استقبال کیا گیا۔ اس کے اگلے سال دوبارہ مصطفیٰ کوپریلی لشکر کی قیادت کرتا ہوا آسٹریا کے مدمقابل جا کھڑا ہوا۔ ابھی یہ جنگ جاری تھی کہ سلطان سلیمان ثانی کی وفات کی اطلاع ملی۔ انھیں سلیمانیہ مسجد استنبول میں دفن کیا گیا۔ سلیمان ثانی کا چار سالہ عہد مجموعی طور پر سلطنت کے لیے مفید ثابت ہوا۔ سلیمان ثانی کا ایک نمایاں کارنامہ یہ تھا کہ انھوں نے ینی چری کو جو ہر موقعے پر ضد اور نخرے سے کام لیتی تھی ضوابط کا پابند کیا اور اس کی طاقت میں کمی کی۔ سلیمان ثانی کو مسافر خانے اور سبیلیں لگانے میں خاص دلچسپی تھی۔

۲۱: احمد خان ثانی (۱۶۴۳ـ۱۶۹۵ء)

سلطان سلیمان خان ثانی کی وفات پر ۱۶۹۱ء میں ان کے بھائی احمد خان ثانی عثمانی تخت پر جلوہ افروز ہوئے۔ علومِ دینیہ کی تحصیل کے ساتھ ساتھ عربی اور فارسی پر عبور حاصل تھا۔ خطاطی کا شوق رکھتے تھے اور عمدہ خطاط تھے۔ قرآنِ کریم کے متعدّد نسخے اور دیگر کتابیں اپنے ہاتھ سے تحریر کیں۔ انتہائی متواضع شخصیت تھے، عام آدمی کے بھیس میں رعایا کے درمیان گشت کرتے اور ان کے مسائل حل کرنے کی کوشش کرتے۔ تخت سنبھالا تو مصطفیٰ پاشا جنگ پر روانہ ہو چکے تھے۔ انھوں نے مصطفیٰ پاشا کو صدرِ اعظم برقرار رکھا۔ احمد خان ثانی کی تخت نشینی کے اگلے مہینے ہی عثمانی افواج اور آسٹریا کی افواج میں زبردست جنگ ہوئی۔ بحری جنگ میں تو عثمانی فتح یاب رہے لیکن بری جنگ میں آسٹریا کے سپاہی غالب آ گئے۔ مصطفیٰ کوپریلی جرات اور بہادری سے لڑتے ہوئے جان کی بازی ہار گئے۔ بہت سے سپاہی بھی دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہید ہو گئے۔ باقی عثمانی فوج بھاگ کھڑی ہوئی۔ یوں آسٹریا کے ہاتھوں بدترین شکست عثمانیوں کے حصے میں آئی۔ احمد خان ثانی کے باقی دورِ حکومت میں کوئی قابلِ ذکر معرکہ نہ ہو سکا۔ سابق سلطان محمد خان رابع کا انتقال بھی اسی عہد میں ہوا۔ ۱۶۹۵ء میں سلطان احمد خان ثانی اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔

۲۲: مصطفیٰ خان ثانی (۱۶۶۴ـ۱۷۰۳ء)

احمد خان ثانی کی وفات پر ۱۶۹۵ء میں سلطان مصطفیٰ خان ثانی تخت نشین ہوئے۔ مصطفیٰ ثانی جید علما کے زیرِ تربیت رہے اور علوم کے ساتھ ساتھ تیر اندازی اور گھڑ سواری میں بھی مہارت پیدا کی۔ شعر بھی کہتے تھے اور ”مفتونی“ اور ”اقبالی“ تخلص کرتے تھے۔ اپنے والد سلطان محمد خان رابع کے ساتھ کئی جنگوں میں حصہ لے چکے تھے اور ریاستی امور سے بخوبی واقف تھے۔ تخت نشینی کے پہلے سال ہی لشکر کی قیادت کرتے ہوئے آسٹریا کی افواج سے مقابلہ کیا اور انھیں عبرت ناک شکست سے دوچار کیا۔ متعدّد قلعے جو دشمنوں کے قبضے میں تھے، دوبارہ عثمانیوں کے قبضے میں آ گئے۔ اس فتح کے اگلے سال ۱۶۹۶ء میں دوبارہ سلطان مصطفیٰ ثانی نے آسٹریا اور

ہنگری کی افواج کو شکست دی اور بہت سے قلعے فتح کیے۔ ان فتوحات سے عثمانیوں کا اعتماد کافی حد تک بحال ہو گیا اور فوج مستحکم ہونے لگی۔ لیکن ۱۶۹۷ء میں ایسا واقعہ ہوا جس سے سلطنتِ عثمانیہ صرف اندرونی طور پر ہی نہیں بلکہ عالمی سطح پر بھی ایک کمزور ریاست کے طور پر شمار ہونے لگی۔ واقعہ یہ ہوا کہ ۱۶۹۷ء میں سلطان ایک بڑے لشکر کو لے کر بلغراد کے راستے ہنگری میں داخل ہوا۔ زنتا کے مقام پر ترک سپاہی پل کے ذریعے ساحل پر اترنا شروع ہوئے تو فوج کے منظم ہونے سے پہلے ہی دشمنوں نے گولہ باری شروع کر دی۔ اس حملے سے ترک فوج میں بدنظمی پیدا ہو گئی اور وہ لڑنے کے قابل نہ رہی۔ مخالف فوج نے گھیر گھیر کر ترکوں کا قتل عام کیا، تقریباً بیس ہزار سپاہی اس جنگ میں کام آ گئے۔ سلطان اور باقی سپاہی بمشکل واپس پہنچے۔ زنتا کی شکست نے ترک سپاہیوں اور سلطان کو بالکل مایوس کر دیا۔ دوسری طرف ہنگری اور دیگر مخالفین اس موقعے سے فائدہ اٹھا کر عثمانی مقبوضات پر پے در پے حملے کرنے لگے۔ اس نازک مرحلے پر سلطان مصطفیٰ ثانی نے صدرِ اعظم کے لیے کوپریلی خاندان کے حسین کوپریلی کو منتخب کیا۔ حسین کوپریلی نے اپنے آبا کی پیروی کرتے ہوئے تھوڑی مدت میں نظامِ حکومت کو مستحکم کیا اور خاص طور پر مالی خسارے کو کم کرنے کے لیے دانش مندانہ فیصلے کیے۔ اس دوران وینس اور روس کی طرف سے حملے برابر جاری رہے۔ اس مرحلے پر جبکہ سلطنتِ عثمانیہ مستقل زوال پذیر تھی برطانوی سفیر لارڈ پیجٹ نے صلح کی تحریک شروع کی اور ہالینڈ نے اس کی مدد کی۔ سفیر نے صلح کے لیے یہ ضابطہ طے کیا کہ جو خطے اس وقت ریاستوں کے پاس ہیں وہ انھی کی ملکیت شمار کیے جائیں گے اور ان میں کمی بیشی نہیں ہو گی۔ اس صلح میں سلطنتِ عثمانیہ، برطانیہ، آسٹریا، وینس، روس، پولینڈ اور ہالینڈ شریک تھے۔ یہ معاہدہ صلح نامہ کارلووِٹز کہلاتا ہے جو ۱۶۹۹ء میں تحریر ہوا۔ یہ معاہدہ سلطنتِ عثمانیہ کے ضعف کا منھ بولتا ثبوت ہے کہ وہ کس طرح چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے ساتھ برابری کی سطح پر صلح پر مجبور ہوئی۔ اس کے بعد حسین کوپریلی اندرونی معاملات کی اصلاح میں مشغول ہو گیا لیکن بعض مخالفین کے سبب ۱۷۰۲ء میں مستعفی ہو گیا۔ اس کے اگلے سال یعنی ۱۷۰۳ء میں ینی چری نے بڑے پیمانے پر بغاوت کا اعلان کیا اور بہت سے افسر اس کے ساتھ شامل ہو گئے۔ انھوں نے علما سے سلطان کی معزولی کا فتویٰ حاصل کر لیا۔ یوں مصطفیٰ خان ثانی اپنے والد کی

طرح تخت سے معزول کردیے گئے۔اسی سال مصطفیٰ خان ثانی کا انتقال ہوا۔

جاری ہے

کتابیات

السلاطين العثمانيون، راشد كوندوغدو،الناشر :دار الرموز للنشر،إسطنبول،۲۰۱۸ء

آلبوم پادشاہانِ عثمانی، مترجم: میلاد سلمانی، ناشر: انتشاراتِ قَقْنُوس، استنبول، ۲۰۱۵ء

تاریخِ سلطنتِ عثمانیہ، ڈاکٹر محمد عزیر، ناشر: کتاب میلہ، ۲۰۱۸ء

سلطنتِ عثمانیہ، ڈاکٹر علی محمد الصلابی، مترجم: علامہ محمد ظفر اقبال، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، جون ۲۰۲۰ء

*****

صوفی جمیل الرحمٰن عباسی

بیت المقدس کا تاریخی خاکہ

قسط نمبر ۲۳

جولائی ۱۹۲۰ء میں فلسطین میں فوجی حکومت کا خاتمہ کر کے برطانوی حکومت کے ماتحت ایک شہری حکومت کا قیام عمل میں لایا گیا۔ ہربرٹ صیموئل کو برطانوی ہائی کمشنر بنایا گیا جو ایک متعصب صیہونی تھا۔ استعماری نظام میں ہائی کمشنر، برطانوی وزیرِ استعماریات کو جواب دہ اور اس کا نمائندہ شمار ہوتا تھا۔ گویا اس طرح یہاں یہود کو حکومت دے دی گئی۔ صیموئل نے یہاں کے مختلف اداروں اور محکموں میں یہودیوں کو منصب عطا کیے۔ اس نے نارمن بینٹ وچ یہودی کو اپنا نائب مقرر کیا۔ جو ایک یہودی دہشت گرد تھا۔ اسی طرح اس نے ادارہ انتدابِ فلسطین کا سیکرٹیری وندھام ہنری صیہونی کو مقرر کیا۔ دیگر حکومتی مناصب پر بھی اس نے یہودیوں کو مسلط کیا۔ فلسطین کی شہری حکومت کی معاونت برطانیہ سے آیا ہوا یہودی وفد کرتا تھا۔ سول حکومت اور یہودی وفد دونوں کا کام یہ تھا کہ وہ اعلانِ بالفور کی تکمیل کے لیے ماحول ساز گار بنائیں اور یہودیوں کے مفادات کا تحفظ کریں۔ صیموئل نے ایک مجلسِ مشاورت وتنفیذ بھی قائم کی جس کا سربراہ وہ خود تھا جب کہ دیگر اراکین میں سات یہودی، سات برطانوی، جب کہ سات عرب شامل تھے جن میں چار مسلمان اور تین عیسائی تھے۔ ظاہر ہے اس کونسل میں یہود کا پلڑا بھاری تھا اور وہ من مانی سے فیصلے کرتے تھے۔

جولائی ۱۹۲۰ء میں ہی شام پر سے، امیر فیصل بن حسین کی قیادت میں قائم عربی حکومت کا خاتمہ کر دیا گیا جو اہلِ فلسطین کے لیے ایک ناگوار واقعہ تھا۔ چنانچہ فلسطینی کانفرنس کا انعقاد عمل میں لایا گیا جس میں

مسلمانوں کے علاوہ عیسائی بھی شامل ہوئے۔ اس کانفرنس نے اپنے مشترکہ اعلامیے میں صیموئیل کی حکومت کو یہودی حکومت قرار دیا۔ نیز فلسطین کو یہود کا قومی وطن بنانے اور فلسطین کی طرف یہود کی ہجرت کی شدید مخالفت کی گئی۔ صیموئیل حکومت میں مسلمانوں اور عیسائیوں کو بھی شامل کرنے پر زور دیا گیا۔ یہ جاننا چاہیے کہ فلسطین پر برطانوی قبضہ تو ۱۹۱۸ء میں عثمانی شکست سے ہی قائم تھا لیکن ترکوں اور اتحادیوں کے درمیان امن معاہدہ ۱۹۲۳ء میں لکھا گیا اور لیگ آف نیشنز نے بھی قانونِ انتداب اسی سال منظور کیا۔ اس طرح ۱۹۲۰ء سے ۱۹۲۳ء تک، فلسطین پر برطانوی حکومت غیر قانونی و غیر آئینی اور فوجی حکومت ہی کا ایک ذیلی شعبہ کہلائی جاسکتی ہے۔ ۱۹۲۱ میں مسلمانوں نے المجلس الإسلامي الأعلى للأشراف على شؤون الإسلامية قائم کی، مفتیٔ اعظم فلسطین الحاج امین الحسینی اس کے رئیس مقرر ہوئے۔ مفتیٔ اعظم نے مختلف اوقات میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں لیکن مسلمانوں کے موقف کی ترجمانی کرتے رہے۔ ان کا یہ نظریہ بھی تھا کہ فلسطین کو الگ ملک کی شناخت دینے کے بجائے اسے شام کے ساتھ ملحق کیا جائے اور اسے داخلی بیرونی مداخلت سے بچایا جائے۔ مارچ ۱۹۲۱ء میں برطانیہ کے "وزیرِ استعمار" ونسٹن چرچل کی سربراہی میں "قاہرہ کانفرنس" کا انعقاد ہوا۔ اس کانفرنس میں یہودی کاز کو پذیرائی بخشی گئی۔ اس کے بعد چرچل فلسطین کے دورے پر آیا۔ مسلمانوں کے وفد نے اس سے ملاقات میں اپنا نقطۂ نظر اس کے سامنے رکھا لیکن اس نے یہ کہہ کر مسلمانوں کی مدد سے انکار کیا کہ بالفور ڈیکلریشن ایک حقیقت ہے جسے بدلنا ممکن نہیں اور اس کی رو سے یہودیوں کی فلسطین کی طرف ہجرت اور یہودی ریاست کا قیام ضروری ہے۔ مسلمانوں میں اس پر سخت بے چینی پائی گئی اور جلوس نکالے گئے۔ حیفا میں مسلمانوں کی پولیس اور یہودیوں کے ساتھ جھڑپیں بھی ہوئیں جن میں دو مسلمان شہید جب کہ بارہ یہودی زخمی ہوئے۔ مئی ۱۹۲۱ء میں یافا شہر میں یہودیوں کے خلاف جھڑپوں کا آغاز ہوا۔ جن میں عیسائی مسلمانوں کی طرف اور یہود کے خلاف تھے۔ برطانوی فوج نے یہودیوں کی پشت پناہی کی اور ان کے مخالفین پر حملے شروع کیے جس پر مظاہروں کا سلسلہ

شروع ہو گیا۔ ۵ مئی ۱۹۲۱ء کو مسلمانوں کے ایک بڑے گروہ نے تل ابیب کے نزدیک ایک یہودی بستی پر حملہ کیا اور اگر برطانوی فوج مقابلے میں نہ آ گئی ہوتی تو یہود کا بہت نقصان ہوتا۔ برطانوی مداخلت سے بہت سارے مسلمان شہید ہوئے۔

ملک کے طول و عرض میں جاری انتشار کے اسباب کی تحقیق کے لیے، اکتوبر ۱۹۲۱ء میں فلسطین کے چیف جسٹس کی سربراہی میں ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس نے قرار دیا کہ فسادات کی وجہ، یہودیوں کی قومی ریاست کے قیام کے لیے اٹھائے جانے والے اقدامات کے نتیجے میں مسلمانوں میں پایا جانے والا غم و غصہ ہے اور امن و امان کے لیے عربوں بالخصوص مسلمانوں کے تحفظات کو دور کرنا ضروری ہے۔ لیکن حکومت نے اس صائب رائے پر کان نہ دھرے۔ اسی دوران برطانوی فوج کے زیرِ اثر بلکہ زیرِ تربیت یہودی مسلح ملیشیا ''ہاغاناہ'' (ہاجاناہ) کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اسی طرح انھوں نے جاسوسی کا ایک مضبوط شعبہ بھی قائم کیا۔ ہر طرف یہودیوں کو مسلح کیا جانے لگا اور انھیں اسلحہ رکھنے کی قانونی اجازت دی گئی لیکن مسلمانوں پر اسلحہ رکھنے یہاں تک کہ خنجر رکھنے پر بھی پابندی لگا دی گئی۔

جون ۱۹۲۲ء میں حکومتِ برطانیہ نے ایک وائٹ پیپر شائع کیا جس میں بالفور ڈیکلریشن کی وضاحت اس انداز میں کی گئی کہ اگرچہ یہود کا قومی وطن بنانا ہمارے پیش نظر ہے لیکن ایک تو یہ کل فلسطین میں نہیں ہو گا بلکہ اس کے ایک حصے میں ہو گا دوسرے یہ کہ اس سے غیر یہودی باشندوں کے مذہبی، سیاسی اور معاشی حقوق کو متاثر نہیں کیا جا سکے گا۔ اس میں یہود کو یقین دہانی کرائی کہ فلسطین میں ان کا موجود ہونا ان پر کسی قسم کا احسان نہیں بلکہ ان کا حق ہے۔

۲۴ جولائی ۱۹۲۲ء کو لیگ آف نیشنز نے برطانوی اعلانِ انتداب فلسطین کو منظور کیا۔ برطانیہ نے اعلان بالفور اور اس کی توضیحات (وائٹ پیپر) کے مطابق ''قانونِ انتداب'' مرتب کرنے کا اعلان کیا۔ اس قانون میں ۲۸ دفعات تھیں۔ جن کے مطابق برطانیہ نے یہود کے قومی وطن کی تشکیل کو اپنی ذمے داری قرار دیا۔ فلسطین کی حکومت کے لیے ایک یہودی مشاورتی کونسل مقرر کی گئی تاکہ وہ یہودی ریاست کے قیام میں

برطانوی حکومت کی مدد کر سکے اس کونسل کو مشاورت سے آگے بڑھ کر محدود سطح پر تنفیذی اختیارات بھی دئے گئے۔ عبرانی کو ایک باقاعدہ زبان قرار دیا گیا۔ یہودی آباد کاری میں تعاون و سہولت اور یہودی مہاجرین کو فلسطینی شہریت دینے کا اعلان کیا گیا۔ کچھ ایسی شقیں بھی قانون میں شامل تھیں جن میں غیر یہود قوموں کے حقوق کے تحفظ کا اعلان کیا گیا تھا لیکن یہود کی آباد کاری اور مشاورتی کونسل کے قیام اور اس کے اختیارات سمیت کچھ دوسری شقیں تھیں جن کی وجہ سے غیر یہود کے حقوق کا ذکر محض رسمی رہ گیا تھا۔

لیگ آف نیشنز سے قانون انتداب کی منظوری کے بعد، اگست ۱۹۲۲ء کو فلسطین کا دستور ترتیب دیا گیا جو اعلان بالفور کے مطابق ہی تھا۔ یہ دستور ۱۱/ستمبر ۱۹۲۲ء کو نافذ کیا گیا۔ دستور سازی کے اس عمل میں انھوں نے مسلم مسیحی کونسل یا مسلمانوں کی مجلسِ اسلامی سے کسی مشاورت کا اہتمام نہیں کیا۔ بلکہ مشاورت کے بغیر یہاں وہ قانون سازیاں اور ضابطہ بندیاں کیں جو اہلِ فلسطین خصوصاً مسلمانوں کے استیصال اور صیہونیت کے فروغ و غلبے میں معاون تھیں۔ سول حکومت نے یہاں قائم عثمانی زرعی بنک جو فلسطینی کسانوں کی بطورِ خاص مدد کرتا تھا بند کر دیا۔ فلسطینی کسانوں پر بھاری ٹیکس عائد کیے گئے۔ ان پر دباؤ بڑھایا گیا تاکہ وہ زمینیں فروخت کرنے پر تیار ہوں۔ دیگر کئی ظالمانہ اقدامات سے انھوں نے فلسطینیوں کو شام وغیرہ کی طرف ہجرت پر مجبور کرنے کی کوشش کی۔ عثمانی دور میں یہاں یہودی آباد کاری اور زمینوں کی خرید و فروخت پر قانونی پابندیاں عائد کی گئی تھیں۔ صیموئیل نے ان پابندیوں کو ختم کر کے یہودیوں کے لیے زمینوں کی خرید کا راستہ آسان کیا۔ نیز اس نے ایسی قانون سازی کی کہ جس سے زمینوں کی ملکیت کا انتقال و ثبوت بہت آسان ہو گیا جس کا فائدہ یہودیوں ہی کو ہونا تھا۔ صیموئیل نے فلسطین کی طرف یہودی ہجرت کا راستہ بھی آسان کیا۔ فوجی حکومت کے دوران صرف چار ہزار یہودی ہجرت کر پائے تھے لیکن صیموئیل کی شہری حکومت کے پہلے ہی سال، ہجرت کر کے فلسطین میں آباد ہونے والے یہودیوں کی تعداد آٹھ ہزار اور اگلے سال سولہ ہزار تک پہنچ گئی۔ اسی دوران مردم شماری کی گئی تو بعض دھاندلیوں کے باوجود مسلمانوں کی تعداد چھے لاکھ سے متجاوز تھی جب کہ یہودیوں کی تعداد ایک لاکھ سے کچھ کم نکلی۔ یہودی قومی ریاست کی تکمیل کے سوا، برطانوی استعماری

حکومت کا کوئی مشن نہ تھا۔ فلسطین کے لوگوں کی شکایات کے ازالے کی کوئی صورت ان کے منصوبے میں شامل نہ تھی۔ زیادہ سے زیادہ وہ کوئی تحقیقاتی کمیشن بھیج دیتے جو مدت لگا کر اپنی رپورٹ پیش کرتا لیکن اس پر عمل در آمد یا اس کی روشنی میں اپنے طرزِ عمل کی اصلاح سرے سے پیشِ نظر ہی نہ تھی بلکہ یہ وقت گزاری کا ایک طریقہ سمجھا جاتا تھا۔

لیگ آف نیشنز کے ۱۹۲۴ء اور ۱۹۲۵ء کے سالانہ جلسوں میں برطانیہ نے صاف طور پر اعلان کیا کہ وہ فلسطین میں کوئی ایسی قانون ساز مجلس تشکیل نہیں دے سکتا جس میں اہلِ عرب کو ان کی تعداد کے مطابق نمائندگی حاصل ہو اس لیے کہ اس طرح یہودی قومی ریاست کے قیام کے نصب العین کے حصول میں رکاوٹ آنے کا خطرہ ہے۔ ۱۹۲۴ء تک فلسطین، شام وغیرہ میں مصری کرنسی رائج تھی جو دیگر قریبی علاقوں میں بھی قبول کی جاتی تھی۔ ۱۹۲۴ء میں ہربرٹ صیموئیل نے فلسطینی کرنسی بنانے کا اعلان کیا۔ مسلمانوں نے اس پر احتجاج کیا جس پر حسبِ معمول کان نہیں دھرا گیا۔ نئی کرنسی پر عربی، انگریزی اور عبرانی تینوں زبانیں لکھی گئیں۔ مختلف مراحل سے گزر کر آخر کار نومبر ۱۹۲۸ء کو یہ کرنسی رائج ہو گئی۔

۱۹۲۵ء میں چھٹی فلسطینی کانفرنس کا انعقاد ہوا۔ اسی سال جبلِ زیتون پر یہودی یونیورسٹی الجامعۃ العبریۃ کا افتتاح کیا گیا۔ اکابرِ یہود، لارڈ بالفور، حائیم وائزمین نے اس کے افتتاحی جلسے میں شرکت کی۔ اس موقعے پر فلسطین کے طول و عرض میں احتجاجی مظاہرے کیے گئے۔ اسی عرصے میں لیو پولڈ ایمری کو وزیرِ استعمار بنایا گیا۔ اس کا خیال تھا کہ فلسطین کی قابلِ زراعت زمین پر، یہودیوں کا حق فلسطینیوں سے بڑھ کر ہے۔ چنانچہ اس نے اپنے دور میں نئے ہائی کمشنر مسٹر بلومر کے تعاون سے اہم زرعی زمینیں یہودیوں کو دینے میں بہت سرگرمی دکھائی بلکہ حفاظت کے نام پر بہت سارے فارم ہاؤس مسلح بھی کر دیے گئے۔ اس دوران یہودیوں کی ہجرت جاری رہی اور ان کے لیے روزگار کے مواقع فراہم کرنے کا بھی بہت اہتمام کیا جاتا رہا۔ بحرِ مردار میں سے فاسفیٹ نکالنے کا ٹھیکا ایک یہودی کمپنی کو دیا گیا۔ یہاں بھی اور دوسرے مواقعِ روزگار

پر بھی یہودی کارکنوں کو عرب مزدوروں پر ترجیح دی جاتی۔ جس سے عرب لوگوں میں بیروزگاری کی شرح میں بہت اضافہ ہوا۔

ستمبر ۱۹۲۸ء میں دیوارِ براق (یہود کے نزدیک دیوارِ گریہ) کا حادثہ ہوا۔ جس پر نومبر ۱۹۲۸ء میں الحاج مفتی امین الحسینی کی زیرِ قیادت اسلامی کانفرنس کا انعقاد ہوا، جنھوں نے نئے ہائی کمشنر سر جوہن چانسلر سے مطالبہ کیا کہ وہ مقامی لوگوں کی مجلسِ مشاورت قائم کرے اور ان کے بغیر کوئی قانون سازی نہ کرے۔ انھوں نے یہودیوں کو دیے گئے امتیازات ختم کرنے کا مطالبہ کیا۔ یہ خیال عام ہو چکا تھا کہ یہودی محض وطن کی تلاش میں نہیں ہیں بلکہ وہ مقدسات پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں اور مسجد الاقصیٰ کی دیوارِ براق گرا کر ہیکلِ سلیمانی کی تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ مسلمانوں نے مقدس مقامات کی حفاظت کے لیے جمعية حراسة الأقصى والأماكن الإسلامية المقدسة قائم کی۔

۱۴/اگست ۱۹۲۹ء کو تل ابیب میں یہودیوں نے مظاہرہ کیا جس میں چھے ہزار یہودی شامل تھے، وہ الحائط حائطنا ''دیوار ہماری ہے'' کے نعرے لگا رہے تھے۔ حکومت نے دیوارِ براق پر پہرہ سخت کر دیا۔ اگلا دن عیدِ غفران کا تھا (ہاکیپ بوریم، یہودی عقائد میں یہ وہ دن تھا جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام وادیٔ سینا سے الواح اور مغفرت کا وعدہ لے کر لوٹے تھے) فلسطین کی استعماری حکومت نے یہود سے کہا کہ وہ بڑے گروہوں کے بجائے چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں مسجد میں آئیں تاکہ کسی حادثے سے بچا جا سکے ۱۵/اگست کو یہودی دیوارِ براق کی طرف آئے۔ انھوں نے یہودی پرچم اٹھائے ہوئے تھے اور وہ مذہبی گیت گا رہے تھے اور ساتھ ہی مسلمانوں کو برا بھلا کہہ رہے تھے۔ اگلے دن ۱۶/اگست کو بارہ ربیع الاول (مولود شریف) تھا اور یہ یومِ جمعہ بھی تھا۔ مسلمان نمازِ جمعہ کے بعد دیوارِ براق کی جانب گئے تو یہاں موجود یہودیوں سے تلخ کلامی ہوئی۔ اگلے جمعے یعنی ۲۳/اگست ۱۹۲۹ء کو یہود کی حرکتوں سے مشتعل ہو کر مسلمانوں نے یہود پر پتھروں، ڈنڈوں اور تلواروں سے حملہ کر دیا۔ اس کے ساتھ الخلیل، نابلس، عکا، جنین، اور طولکرم وغیرہ میں

بھی فسادات پھوٹ پڑے۔ انگریزی فوج نے یہودیوں کی طرف سے دفاع کرتے ہوئے مسلمانوں پر وحشیانہ حملے کیے اور بہت سی جگہوں پر فضائی بمباری بھی کی گئی۔ ایک ہزار افراد پر مقدمے قائم کیے گئے جن میں نوے فیصد عرب تھے۔ جب کہ چھبیس افراد کو سزائے موت سنائی گئی جن میں پچیس مسلمان اور صرف ایک یہودی تھا۔ ان جھڑپوں میں ایک سو تینتیس یہودی قتل ہوئے جب کہ ایک سو سولہ مسلمانوں نے جامِ شہادت نوش کیا۔ زخمیوں میں تقریبًا ساڑھے تین سو یہودی جب کہ مسلمانوں کی تعداد تقریبًا اڑھائی سو تھی۔ برطانوی فوج کے ہاتھوں مظالم کا شکار ہونے والے مسلمانوں کی تعداد اس کے علاوہ تھی۔

جوہن چانسلر کمشنر نے ان تمام فسادات کا موجب مسلمانوں کو قرار دیا۔ مسلمانوں کے احتجاج پر برطانوی حکومت نے سر والٹر شا کی قیادت میں ایک تحقیقاتی کمیشن متعیّن کیا جس میں تین برطانوی پارلمنٹیرین بھی تھے۔ اس تحقیق کے نتیجے میں آخر کار ہائی کمشنر جوہن چانسلر نے تسلیم کیا کہ برطانوی حکومت کی مسلم کش پالیسیاں، امتیازی سلوک اور یہودی منصوبے مسلمانوں میں اضطراب و ہیجان کی وجہ بنے جو آخر کار فسادات کا باعث بنے۔ کمیشن نے پچاس کے قریب اجلاس کیے اور ایک سو سے زیادہ یہود و عرب کے بیانات سنے اور اپنی رپورٹ میں کہا کہ یہود کا دیوارِ گریہ پر مظاہرہ، یہودی پرچم بلند کرنا نیز مسلمانوں کو اپنے مستقبل کے حوالے سے لاحق سیاسی و معاشی خوف، یہودیوں کی ہجرت اور زمین پر قبضہ وغیرہ تصادم کی وجہ بنے۔

کمیشن نے تجویز کیا کہ فلسطین میں ایک داخلی دستوری حکومت بنائی جائے جس میں مسلمانوں کی شرکت ہو اور ان کی زمینوں کو تحفظ دیا جائے۔ کمیشن نے قرار دیا کہ ابتداے ہجرت میں وہ جو برطانیہ اور یہودیوں نے کہا تھا کہ وہ علاقے کی وسعت اور معیشت کے مطابق ہی مہاجرین کو فلسطین میں آنے کی اجازت دیں گے اور یہ بھی کہ فلسطین کی حکومت میں یہود کو شریک نہیں کیا جائے گا ان شرائط کی سخت خلاف ورزی کی گئی ہے۔ کمیشن نے کہا کہ جب تک ان شکایات کا ازالہ نہیں کیا جاتا فلسطین میں امن و امان قائم ہونے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ کمیشن نے سفارش کی کہ دیوارِ گریہ کے معاملے پر الگ سے کمیشن مقرر کیا جائے۔ کمیشن کی اکثر سفارشات کو قبول نہیں کیا گیا۔ البتہ ۱۹۳۰ء میں دیوارِ براق کا معاملہ لیگ آف نیشنز میں لے جایا گیا۔

جہاں سہ ملکی کمیٹی (ہالینڈ، سوئزرلینڈ اور سویڈن) کے حوالے یہ معاملہ کیا گیا۔ اس کمیٹی کے اراکین نے فلسطین کا دورہ کیا۔ کمیٹی نے سفارشات میں لکھا کہ دیوارِ براق مسلمانوں کی املاک وقف میں ہے اور اس کی حیثیت میں تبدیلی کرنا درست نہیں ہے بلکہ چاہیے کہ اسے اس کی سابقہ حیثیت پر برقرار رکھا جائے۔ کمیشن کی سفارشات فلسطینوں کے موقف کی ترجمان تھیں چنانچہ فی الفور ایک وفد برطانیہ روانہ کیا گیا جس نے وہاں کی حکومت سے یہودیوں کی ہجرت اور فلسطینی زمینوں پر قبضے روکنے اور عثمانی دور کے زرعی بنک کی بحالی اور فلسطین کی پارلیمینٹ اور داخلی حکومت کی تشکیل کے مطالبے کیے گئے۔ وزیرِاعظم رمزی میکڈونلڈ نے ان کے مطالبات کو رد کیا اور اسمبلی میں تقریر میں کہا کہ حکومتِ برطانیہ یہودیوں کے منصوبوں میں رکاوٹیں ڈالنے اور فلسطین کی دستوری حکومت کو بالفور ڈیکلریشن کے متضاد سمجھتی ہے البتہ فلسطینی کسانوں اور عوام کی معاشی بہتری کے لیے اقدامات کیے جائیں گے۔ لیکن جو اقدامات کیے گئے وہ بھی فلسطینوں کے مفادات کا تحفظ کرنے کے بجائے نقصان میں اضافے کا باعث بنے۔

اکتوبر ۱۹۲۹ء میں فلسطین میں عرب خواتین کانفرنس کا انعقاد ہوا۔ اس کانفرنس میں مختلف علاقوں سے دو سو کے لگ بھگ خواتین جمع ہوئیں۔ کانفرنس میں اعلان کیا گیا کہ فلسطینی عورت مردوں کے شانہ بہ شانہ آزادئ وطن کی تحریک میں حصہ لے گی۔ اسی سال عرب عوامی کانفرنس کا انعقاد کیا گیا جس میں یہودی مصنوعات اور ان کی کمپنیوں کے بائیکاٹ کا اعلان کیا گیا یہاں تک کہ بعض شہروں میں بجلی کے قمقمے تک استعمال کرنے ترک کیے گئے اور ان کی جگہ لالٹین کا استعمال شروع کیا گیا۔ ان تمام کوششوں کا کوئی اثر یہودیوں کی پیش رفت پر نہیں پڑا بلکہ برطانوی ہائی کمشنر جوہن چانسلر کے زیرِ سایہ اور برطانوی آشیرباد سے وہ اپنے گھناؤنے منصوبوں کی تکمیل میں لگے رہے۔

جاری ہے

کتابیات

القدس و المسجد الأقصى عبر التاريخ، دكتور محمد علي البار

فلسطين في عهد الانتداب، دكتور أحمد طربين

تذكير النفس بحديث القدس، دكتور سيد حسين العفاني

* * * * *

ڈاکٹر مبشر حسین رحمانی، استاذ کمپیوٹر سائنس، ایم ٹی یو، آئرلینڈ

کرپٹو کرنسی: جُوا اور سٹے بازی کی بدترین شکل

عالمی معاشی منظرنامے پر برطانیہ اور کینیڈا کی معیشت نہ صرف یہ کہ بہت مضبوط تصور کی جاتی ہے بلکہ یہ دونوں ممالک جی-۸ کی فہرست میں بھی شامل ہیں۔ان دونوں ممالک کی معیشت کو چلانے میں ان ممالک کے سینٹرل بینک کا بنیادی کردار ہے۔ بہت ہی حیران کن بات یہ ہے کہ ان دو ممالک کے سینٹرل بینک کو کافی عرصے تک چلانے کا سہرا مارک کارنی Mark Carney کے سر جاتا ہے جو کہ بینک آف کینیڈا کے سن ۲۰۰۸ سے ۲۰۱۳ء تک گورنر رہے اور پھر ۲۰۱۳ سے ۲۰۱۸ء تک بینک آف انگلینڈ کے گورنر رہے۔ مارک کارنی ایک بہترین عالمی ماہرِ معاشیات کے طور پر جانے جاتے ہیں جنھوں نے سن ۱۹۹۵ء میں یونیورسٹی آف آکسفورڈ سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ ان کو کینیڈا اور دنیا بھر میں مالیاتی پالیسی کی ترقی میں اُن کی قیادت کے لیے کینیڈا کا دوسرا بڑا سرکاری اعزاز ''آڈر آف کینیڈا'' بھی دیا گیا۔ نیز ان کو سن ۲۰۱۳ء میں یونیورسٹی آف مینی ٹوبہ، کینیڈا، سن ۲۰۱۶ء میں یونیورسٹی آف البرٹا، کینیڈا، اور سن ۲۰۱۸ء میں یونیورسٹی آف ٹورنٹو، کینیڈا کی جانب سے ڈاکٹر آف لاء یعنی LL.D کی اعزازی ڈگریوں سے نوازا گیا۔

مارک کارنی نے اسکاٹش اکنامکس کانفرنس ایڈنبرا یونیورسٹی، برطانیہ میں مارچ ۲۰۱۸ء میں اپنے خطاب بعنوان ''زر کا مستقبل'' یعنی The Future of Money میں بہت ہی واشگاف الفاظ میں کہا کہ ''کرپٹو کرنسی کافی حد تک لاٹری ہے'' یعنی آسان الفاظ میں کرپٹو کرنسی جُوا، قمار، میسر یعنی Gambling کی شکل ہے۔اُن

کا یہ خطاب بینک آف انگلینڈ کی ویب سائٹ پر تحریری شکل میں بھی موجود ہے جس میں مزید تفصیلات دیکھی جاسکتی ہیں۔اپنے اسی خطاب میں انھوں نے ایک مثال کے ذریعے سمجھایا کہ اگر آپ نے پچھلے دسمبر میں ایک ہزار برطانوی پاؤنڈ کے برابر بٹ کوائن میں قرضہ لیا ہے تاکہ آپ اگلے سال کے اخرجات چلا سکیں تو آپ کو پانچ سو برطانوی پاؤنڈ کی کمی کا سامنا ہوگا اور اگر آپ نے یہی قرضہ پچھلے ستمبر میں لیا ہوتا تو اس کی مالیت دو ہزار برطانوی پاؤنڈ کے برابر تک ہوتی۔ اور یہ کافی حد تک لاٹری ہے۔لاٹری سے متعلق آپ حضرات جانتے ہی ہیں کہ مفتیانِ کرام اس سے متعلق یہ کہتے ہیں کہ یہ سود اور جوئے پر مشتمل ہوتی ہے اور شریعتِ مطہرہ میں لاٹری قطعًا حرام اور ناجائز ہے۔

آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ یورپی یونین EU جو کہ ستائیس ممالک کا مجموعہ ہے جن میں فرانس، جرمنی، اٹلی، اسپین، سوئیڈن، ڈنمارک، فن لینڈ، آئرلینڈ، پولینڈ اور دیگر ممالک شامل ہیں، ان کے مالیاتی ریگولیٹری اداروں EU Financial Regulators نے حال ہی میں کرپٹو اثاثوں (کرپٹو کرنسی وغیرہ) کو سٹے بازی قرار دیا ہے اور وہ اس کو volatile, highly speculative کہہ رہے ہیں اور پورے یورپ کے چوالیس کروڑ سے زیادہ عوام کو سرکاری سطح پر اس بات کی وارننگ دے رہے ہیں کہ وہ کرپٹو کرنسی میں حتی الوسع سرمایہ کاری، لین دین اور اس کی خرید و فروخت سے اجتناب کریں۔

اب ہم سٹّے بازی Speculation اور جوئے (میسر، قمار Gambling) کے بنیادی فرق کو سمجھتے ہیں۔ ’’سٹّہ Speculation دراصل اس معاملے کو کہتے ہیں جس میں بائع اور خریدار میں سے کسی کا ارادہ عملاً مبیع پر قبضے کا نہیں ہوتا بلکہ اس میں قیمتوں کا فرق برابر کر کے نفع کمایا جاتا ہے۔سٹّے کے اندر دو خرابیاں پائی جاتی ہیں: اول یہ کہ اس کے اندر غیر مملوک کی بیع ہوتی ہے اور دوم یہ کہ اس میں بیع قبل القبض کا دخل ہوتا ہے لہذا شریعتِ مطہرہ کے اندر سٹے کی ممانعت ہے‘‘۔(ڈاکٹر مولانا اعجاز احمد صمدانی صاحب، غرر کی صورتیں، جنوری ۲۰۰۹ء، ادارۃ المعارف، کراچی)۔

جوئے، میسر یا قمار Gambling کی تعریف یہ ہے کہ: ’’جس معاملے میں کسی مال کا مالک بنانے کو

ایسی شرط کے ساتھ موقوف رکھا جائے کہ جس کے وجود اور عدم کی دونوں جانبیں مساوی ہوں اور اسی بنا پر نفعِ خالص یا تاوانِ خالص برداشت کرنے کی دونوں جانبیں بھی برابر ہوں۔ مثلاً یہ بھی احتمال ہے کہ زید پر تاوان پڑ جائے اور یہ بھی کہ عمر پر پڑ جائے، اس کی جتنی قسمیں اور صورتیں پہلے زمانے میں رائج تھیں یا آج رائج ہیں یا آئندہ پیدا ہوں، وہ سب میسر، قمار اور جُوا کہلائے گا"۔ (معارف القرآن، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب علیہ الرحمۃ، ج:۱، سورۃ البقرۃ، ص:۵۳۲)۔

سٹے بازی اور جُوا، میسر یا قمار کی تعریف سمجھنے کے بعد یہ بات واضح ہوجانی چاہیے کہ دنیا بھر کے عالمی معاشی ماہرین اور سائنس دان متفقہ طور پر کرپٹو کرنسی کو بدرجۂ اُتم جوا، میسر، قمار اور سٹے بازی گردانتے ہیں اور اس کو سائنسی طور پر ثابت بھی کرتے ہیں۔

آپ پاکستان ہی کی مثال لے لیجیے اور اپنے اردگرد نوجوانوں کو دیکھ لیجیے جو کہ کرپٹو کرنسی میں سرمایہ کاری کر رہے ہیں۔ آپ اپنے آپ سے سوال پوچھیے کہ کیا یہ نوجوان کرپٹو کرنسی سے سبزی، آٹا، دالیں یا دیگر ضروریاتِ زندگی کی اشیا خرید رہے ہیں؟ یا اس کرپٹو کرنسی سے بازار سے کپڑوں کی خریداری کر رہے ہیں؟ آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ یہ سارے نوجوان کرپٹو کرنسی کو بطور جوئے اور سٹے بازی کے استعمال کر رہے ہیں۔ جی ہاں! ان نوجوانوں کو بقول یورپی سپروائزری اتھارٹیز جو کہ یورپ کے ستائیس ممالک کی معاشی سپروائزری اتھارٹی ہے، سوشل میڈیا کے "اثرانداز" یعنی Social Media Influencers ورغلا رہے ہیں۔ یورپی سپروائزری اتھارٹیز بہت واضح انداز میں وارننگ دے رہی ہیں کہ "آپ کو سوشل میڈیا کے 'اثراندازوں' سے بھی ہوشیار رہنا چاہیے جن کے پاس عام طور پر مخصوص کرپٹو اثاثوں اور متعلقہ مصنوعات اور خدمات کی مارکیٹنگ کے لیے مالی ترغیب ہوتی ہے اور وہ اپنی جاری کردہ معلومات میں متعصب بھی ہوسکتے ہیں"۔ یہی سوشل میڈیا پر اثرانداز ہونے والے ان نوجوانوں کو اعلیٰ تعلیم سے ہٹا کر جوئے اور سٹے بازی میں لگا رہے ہیں اور پاکستان اور مسلمانوں کے مستقبل کے ساتھ کھیل رہے ہیں۔ آپ ہی بتائیے کہ پاکستان کے نوجوانوں کو جوئے اور سٹے بازی میں لگا کر کیا پاکستان سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی کرسکتا ہے؟ کیا ان

نوجوانوں کو جوئے اور سٹے بازی میں لگاکر ہم عالمی معاشی طاقتوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں؟ نہیں، ہر گز نہیں۔

آپ ٹھوس سائنسی حقائق اور اعداد و شمار کو ہی لے لیجیے۔ یورپی یونین کی اقتصادی اور مالیاتی امور کی کمیٹی نے جو کہ دنیا کے چوٹی کے عالمی معاشی ماہرین پر مشتمل تھی نے اپنی رپورٹ یورپین پارلیمنٹ میں نومبر سن ۲۰۱۹ء میں کافی سائنسی تحقیقات کے بعد جمع کروائی ہے جس میں عالمی معاشی ماہرین کے مطابق کرپٹو کرنسیاں، کرنسی کے بنیادی اوصاف پر پورا نہیں اترتیں۔ان کرپٹو کرنسیوں کو بطورِ آلۂ مبادلہ یعنی Medium of Exchange استعمال نہیں کیا جارہا اور نہ ہی کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی کرپٹو کرنسیوں کو بطورِ قدر شمار کرنے یعنی Unit of Account کے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ایک اور سائنسی تحقیق کے مطابق تقریبًا دو سے پانچ فیصد لوگوں نے بٹ کوائن کو چیزوں اور اشیا کی خریداری کے لیے استعمال کیا۔ جبکہ پچانوے فیصد لوگوں نے اس کو بطور سرمایہ کاری کے استعمال کیا۔ دیکھیے دنیا کی سب سے بڑی کرپٹو کرنسی یعنی بٹ کوائن کو جوئے کی مدد سے مشہور کیا گیا اور اسی جوئے کی وجہ سے جون ۲۰۱۲ء میں بٹ کوائن کی ٹرانزیکشن یومیہ باسٹھ ہزار تک پہنچ گئیں اور پھر لوگوں نے اس کے بارے میں جانا۔ دیکھیے سائنسی دنیا میں دلائل سے بات کی جاتی ہے۔ اگر آپ کو ان حقائق اور اعداد و شمار سے اختلاف ہے تو سائنسی طور پر ثابت کریں کہ کرپٹو کرنسی کو بطورِ آلۂ مبادلہ یعنی Medium of Exchange استعمال کیا جارہا ہے اور پاکستان میں ہر چیز آپ کرپٹو کرنسی سے خرید سکتے ہیں۔ چلیں پاکستان کو چھوڑیں، عالمی سطح پر تحقیق کر کے ثابت کیجیے کہ کرپٹو کرنسی کو آلۂ مبادلہ کے طور پر استعمال کیا جارہا ہے۔ آپ کے پاس کرپٹو کرنسی کا لیجر یعنی کھاتہ موجود ہے، اس میں کی گئی تمام ٹرانزیکشنز موجود ہیں، اس کے ایڈریس بھی موجود ہیں تو کیوں آپ سائنسی طور پر ثابت نہیں کرتے؟ اور کیوں اپنی اس سائنسی تحقیق کو دنیا کے بہترین سائنسی جرائد میں نہیں چھاپتے؟ آپ ایسا نہیں کر سکتے کیونکہ سائنس دانوں اور عالمی معاشی ماہرین نے پہلے ہی سائنسی طور پر ثابت کر دیا ہے کہ کرپٹو کرنسی کو بطورِ کرنسی استعمال نہیں کیا جارہا اور نہ ہی کیا جاسکتا ہے۔

آخری بات کہ کیوں کرپٹو کرنسی کو جوئے اور سٹے بازی کی بدترین شکل کہا جاتا ہے اور اس کی بنیادی وجہ

کیا ہے؟ دیکھیے جُوا، لاٹری، اور سٹے بازی غیر مسلم ممالک میں قانونی طور پر رائج ہے۔ امریکہ کا شہر لاس ویگس Las Vegas اور یورپی ملک موناکو Monaco جوئے خانوں کی وجہ سے دنیا بھر میں مشہور ہیں اور پوری دنیا ان دو جگہوں پر جُوا کھیلنے آتی ہے۔ چاہے لاس ویگس ہو، موناکو ہو یا دنیا کا کوئی بھی ملک ہو، اگر کسی کو جُوا خانہ کھولنا ہے تو اس کو اس طرح کی جوئے کی مشین اور کھیل رکھنے ہوں گے جن میں جُوا کھیلنے والے صارفین کے حقوق کا بھی خیال رکھا گیا ہو۔ یعنی ایسا نہ ہو کہ زید نے لاس ویگس میں ایک جُوا خانہ کھولا اور اس میں جُوا کھیلنے والے صارفین ہمیشہ جُوا ہار جائیں۔ اگر اس طرح ہو گا تو قانونی طور پر ایسے جوئے خانے کو بند کر دیا جائے گا یعنی جُوا کھیلنے والے صارفین کو جیت اور ہار کے برابر مواقع ملنے چاہییں اور حکومت ان جوئے خانوں کو ریگولیٹ کرتی ہے کہ کسی جوئے خانہ کا مالک صارفین کو ہمیشہ نقصان نہ پہنچائے اور صارفین کے حقوق کا بھی خیال رکھا جاتا ہے۔ اس کے بالمقابل کرپٹو کرنسی کے اندر جب کوئی صارف سرمایہ کاری کرتا ہے یعنی جُوا اور سٹے بازی کرتا ہے تو صارفین کے حقوق کا بالکل خیال نہیں رکھا جاتا اور جُوا اور سٹے بازی کرنے والے صارفین سخت خسارے میں جاتے ہیں اور حکومت کرپٹو کرنسی کے مالکان کو پکڑ بھی نہیں سکتی اور ان کے خلاف ایکشن بھی نہیں لے سکتی۔ اسی وجہ سے کرپٹو کرنسی کو جوئے اور سٹے بازی کی بدترین شکل کہا جاتا ہے اور اس کو بطورِ جُوا بھی قانوناً ان غیر مسلم ممالک میں رائج نہیں کیا جا رہا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ کرپٹو کرنسی جوئے اور سٹے بازی کی بدترین شکل ہے اور اس کے ذریعے سے ترقی پذیر ممالک کی معیشت کو کنٹرول کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے اور اس پر محض چند لوگوں یا اداروں کی اجارہ داری ہے۔ ہمیں بحیثیتِ مسلمان اپنی دین اور دنیا دونوں کو بچانا ہے اور ہمیں پوری کوشش کرنی چاہیے کہ کرپٹو کرنسی میں ہر طرح کے معاملات سے اجتناب کریں اور مفتیانِ کرام کی رائے پر چلتے ہوئے اس سے بچیں۔

* * * * *

یسئلونک

دارالافتاء، فقہ اکیڈمی

روایت حبُ الوطن من الإیمان کی تحقیق

سوال: جمعے کے خطبے میں ایک حدیث بیان ہوئی: حب الوطن من الإیمان، اس کا حوالہ مل سکتا ہے؟ دراصل میں نے پڑھا تھا کہ یہ حدیث نہیں کسی کا مقولہ ہے۔ رہنمائی فرمائیے!

جواب: وطن کے اسلامی ہونے اور اس میں اسلامی احکامات پر آسانی سے عمل کی سہولت میسر ہونے کی بنا پر وطن سے محبت کرنا ایمانی جذبہ ہے، کیونکہ یہ محبت در حقیقت اسلام سے ہے، اس محبت کو کوئی غلط نہیں کہتا۔ ہاں اگر کوئی وطن سے قومیت کی بنا پر محبت کرے اور اس میں کوئی اسلامی پہلو نہ ہو نیز اسلامی احکامات کو پسِ پشت ڈال کر محض قوم و وطن کے مفاد کو آگے رکھنا چاہے، اس مفاد کی آڑ میں کتنے ہی اسلامی احکام ٹوٹ رہے ہوں اور کتنے ہی لوگوں پر ظلم وستم کا بازار گرم ہو؛ یہ درست نہیں۔ باقی فی نفسہٖ وطن سے محبت جائز ہے۔ احادیث میں اس کا ثبوت ملتا ہے۔ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ فَنَظَرَ إِلَى جُدْرَانِ الْمَدِينَةِ أَوْضَعَ رَاحِلَتَهُ وَإِنْ كَانَ عَلَى دَابَّةٍ حَرَّكَهَا مِنْ حُبِّهَا (سنن الترمذي، كتاب الدعوات عن رسول الله ﷺ، باب ما يقول إذا قدم من السفر) ''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ جب کسی سفر سے لوٹتے تو مدینہ کی دیواروں پر نظر پڑنے پر اپنی اونٹنی کو دوڑاتے اور اگر کسی اور سواری پر ہوتے تو اسے بھی تیز کر دیتے، یہ مدینہ کی محبت کی وجہ سے ہوتا تھا''۔ اس حدیث کی شرح

میں محدثین نے فرمایا کہ مدینہ کی فضیلت اور وطن کی محبت کے فی نفسہ جائز ہونے پر دلالت کرتی ہے، لہذا وطن کی محبت ہونا ناجائز امر نہیں، یہ فطری محبت ہے، تاہم شریعت کی رو سے اس کو کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں، اس لیے اسے شرعًا فرض یا واجب یا سنت سمجھنا، یا شرعی تقاضا قرار دینا درست نہیں۔

باقی رہی بات سوال میں مذکور روایت کی تو اس کے بارے میں تقریبًا تمام محدثین کا اتفاق ہے کہ یہ روایت من گھڑت اور موضوع ہے۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:حَدِيثُ حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْإِيمَانِ، قَالَ الزَّرْكَشِيُّ: لَمْ أَقِفْ عَلَيْهِ، وَقَالَ السَّيدُ مَعِينُ الدِّينِ الصَّفَوِيُّ: لَيْسَ بِثَابِتٍ، وَقِيلَ: إِنَّهُ مِنْ كَلَامِ بَعْضِ السّلَفِ، قَالَ السَّخَاوِيُّ: لَمْ أَقِفْ عَلَيْهِ(الأسرار المرفوعة في الأخبار الموضوعة، ص۱۸۰، الناشر: دار الأمانة مؤسسة الرسالة - بيروت) "حدیث حب الوطن من الایمان؛ زرکشی نے کہا: میں اس پر واقف نہ ہوسکا، سید معین الدین صفوی نے کہا: یہ حدیث ثابت نہیں ہے اور یہ بھی کہا گیا کہ یہ سلف کے کلام کا حصہ ہے (حدیث نہیں ہے) اور سخاوی نے کہا کہ میں اس پر واقف نہیں ہوا"۔ لہذا اس روایت سے وطن کی محبت کو ثابت کرنا یا اس روایت کو بطورِ حدیث پیش کرنا درست نہیں۔

فتوی نمبر:۳۱۶۴

والله اعلم بالصواب

*****

ادبیات

احمد ندیم قاسمی

خدا کرے کہ میری ارضِ پاک پر اترے

خدا کرے کہ میری ارضِ پاک پر اترے
وہ فصلِ گل، جسے اندیشۂ زوال نہ ہو
یہاں جو پھول کھلے، وہ کھلا رہے صدیوں
یہاں خزاں کو گزرنے کی بھی مجال نہ ہو
یہاں جو سبزہ اُگے، وہ ہمیشہ سبز رہے
اور ایسا سبز، کہ جس کی کوئی مثال نہ ہو
گھنی گھٹائیں یہاں ایسی بارشیں برسائیں
کہ پتھروں سے بھی روئیدگی محال نہ ہو
خدا کرے کہ نہ خَم ہو سرِ وقارِ وطن
اور اس کے حُسن کو تشویشِ ماہ و سال نہ ہو
ہر ایک فرد ہو تہذیب و فن کا اوجِ کمال
کوئی ملول نہ ہو، کوئی خستہ حال نہ ہو
خدا کرے کہ میرے اِک بھی ہم وطن کے لیے
حیات جرم نہ ہو، زندگی وبال نہ ہو

اصغرؔ سودائی

پاکستان کا مطلب کیا؟

شب ظلمت میں گزاری ہے — اٹھ وقت بیداری ہے
جنگِ شجاعت جاری ہے — آتش و آہن سے لڑ جا
پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ

ہادی و رہبر سرورِ دیں — صاحبِ علم و عزم و یقیں
قرآں کی مانند حسیں — احمدِ مرسَل صلِ علیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ

چھوڑ تعلق داری چھوڑ — اٹھ محمود بتوں کو توڑ
جاگ اللہ سے رشتہ جوڑ — غیرُ اللہ کا نام مٹا
پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ

جراَت کی تصویر ہے تو — ہمتِ عالمگیر ہے تو
دنیا کی تقدیر ہے تو — آپ اپنی تقدیر بنا
پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ

نغموں کا اِعجاز یہی — دل کا سوز و ساز یہی

وقت کی ہے آواز یہی — وقت کی یہ آواز سنا

پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ

پنجابی ہو یا افغان — مل جانا شرطِ ایمان

ایک ہی جسم ہے ایک ہی جان — ایک رسول اور ایک خدا

پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ

تجھ میں ہے خالد کا لہو — تجھ میں ہے طارق کی نُمو

شیر کے بیٹے شیر ہے تو — شیر بن اور میدان میں آ

پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ

مذہب ہو تہذیب کہ فن — تیرا جدا گانہ ہے چلن

اپنا وطن ہے اپنا وطن — غیر کی باتوں میں مت آ

پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ

اے اصغرؔ اللہ کرے — ننھی کلی پروان چڑھے

پھول بنے خوشبو مہکے — وقتِ دعا ہے ہاتھ اٹھا

پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ

* * * * *